پہلی اُردو ایپک پوئم یا رزمیہ نظم

یعنی

مسلسل

واقعاتِ کربلا

از مراثی میر انیسؔ

حصۂ اول

مُرتّبہ

سیّد منظور علی علوی

سنہ ۱۳۴۲ھ

دار الناظر پریس واقع وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ طبع گردید

ر دوم

قیمت ۸عہ

(جملہ حقوق محفوظ)

براہ کرم کتاب پڑھنے سے قبل ان غلطیون کی اصلاح کر لیجئے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
(۲) مقدمہ	آخر	کر سکی تھی	کر سکتی تھی
(ب) //	آخر	تدفیق	تدقیق
۱۲	۱	رونے لگے	کہنے لگے
۲۵	۱۴	ہوگا ہو	ہوگا جو
۳۱	۵	بہی	بہی ہے
۳۹	۱	اے دخترِ	اے دلبرِ
۸۲	۱۴	دست نخسِ	دست نجسِ
۸۶	۱۶	مشکوک	مہمان
۸۸	۱۱	مشکوک	گذرا کہ
۹۶	۹	مرے گر	مرے گرد
//	۱۵	کیجیوبون	کیجیو یون
۱۰۶	۹	وصف	وہ صف
۱۱۲	۱۵	تھک	تک
۱۱۳	۱۶	قافیہ	قافیہ

۱۱۴	۸	آئین	جائیں
"	۹	مشکوک	بھر
۱۱۹	۲	مشکوک	ڈیوڑھی کے جو تھیں یار
"	۹	مشکوک	سنبھالا
"	۱۰	"	پھنچے
۱۲۷	۱۴	معمور	مامور
۱۲۸	۶	یرتاب	پرتاب
۱۳۰	۱۶	مشکوک	رہ
۱۳۳	۱۳	بے پر	بے پیر
۱۳۵	۵	کہتے ہیں	کہتے ہیں ہے
۱۳۷	۹	دیکھہ رہے	دیکھہ رہے ہے
۱۵۸	۹	توسن	گردن
۱۶۳	۱۳	وال	وان
۱۸۸	۱۱	غیظ	غیظ
۲۲۲	۴	نہ	یہ
۲۲۸	۱۶	برابر	مقابل

فہرست کتاب وقعات کربلا

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
بعض شرکاے جنگ کے نام فہرست خط	حـ و ۵	کربلا میں تشریف آوری	۴۹
بیان مؤلف	الف تا ک	فوج اعدا کی آمد	۵۴
مدینہ سے روانگی	۱	شب شہادت	۶۱
حضرت صغرا سے رخصت	۵	ہمراہیوں کو تلقین	۶۳
روضۂ جناب رسولؐ سے رخصت	۱۶	صبح شہادت	۶۸
یارانِ وطن کو تلقین	۱۸	تیاری جنگ	۷۰
مکہ سے روانگی	۱۹	علمبرداری	۷۲
حضرت محمد بن حنفیہؓ سے گفتگو	۲۰	پسران زینبؑ کی علم کے بارے میں گفتگو	۷۳
کعبہ سے رخصت	۲۲	عطاے علم	۷۷
راستہ	۲۹	اعدا کو تلقین	۷۸
اخبار حال کوفہ	۳۴	عمر سعد کا جواب	۷۹
خبر قتل جناب مسلم	۳۵	شہادت حضرت حُر	۸۰
ہمراہیوں کا فرار	۳۸	بھائی اور بیٹے کا مشورہ	//
حُر سے ملاقات	رر	عمر سعد سے گفتگو	۸۲
اطلاع حال کوفہ خر کی زبانی	۴۵	حُر کی آمد	۸۵

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
اجازت	۸۹	طلب اذنِ جنگ	۱۲۲
تلوار	۹۱	اجازت	۱۲۴
گھوڑا	۹۲	سراپا	〃
شہادت	۹۳	تلوار	۱۲۵
شہادت حبیب ابن مظاہرؓ	۹۸	ازرق سے مقابلہ	۱۲۷
شہادت پسران حضرت مسلمؑ	۱۰۰	شہادت	۱۳۵
شہادت پسران حضرت زینبؑ	۱۰۱	شہادت حضرت عباسؑ	۱۳۷
جنگ میں تاخیر پر رنجیدگی	〃	طلب اذن جنگ	۱۳۹
لڑکوں کا عرض حال	۱۰۴	انکار پر رنجیدگی	۱۴۱
طلب اذن جنگ	۱۰۹	اجازت	۱۴۶
میدان میں آمد	۱۱۳	سکینہؑ کی ضد	〃
تلوار	۱۱۵	میدان میں آمد	۱۵۰
گھوڑا	〃	عمر سعد سے گفتگو	۱۵۱
شہادت	۱۱۸	تلوار	۱۵۶
شہادت حضرت قاسمؑ	۱۲۱	گھوڑا	۱۵۹

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
شہادت	۱۶۳	حضرت علی اصغرؑ کے خیمہ سے لیجانے پر	
شہادت حضرت علی اکبرؑ	۱۶۸	حضرت بانو کی بیتابی	۲۰۵
طلب اذن جنگ	۱۷۳	میدان میں آمد	۲۱۰
حضرت بانو کی سفارش	۱۷۹	اعدا سے ارشاد	"
اجازت	"	شہادت	۲۱۳
حضرت زینبؑ کی شکوہ بھری باتیں	۱۸۰	شہادت حضرت امامؑ	۲۱۶
روانگی	۱۸۴	دنیا کی بے ثباتی	"
سراپا	"	حضرت بانوؑ سے رخصت	۲۱۹
تیاری جنگ	"	جناب زینبؑ سے رخصت	۲۲۱
تلوار	۱۸۵	مناجات	۲۲۶
گھوڑا	۱۸۸	سواری	۲۲۷
ایک پہلوان سے مقابلہ	۱۹۰	اعدا کو تلقین	۲۳۲
شہادت	۱۹۴	تلوار	۲۳۵
شہادت حضرت علی اصغرؑ	۱۹۹	بن قطبہ سے مقابلہ	۲۳۹
شکر باری تعالےٰ	۲۰۱	گھوڑا	۲۴۲
		شہادت	۲۴۵

بعض ہمراہیان حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت عباسؑ	حضرت امام حسینؑ کے علاتی بھائی
حضرت علی اکبرؑ	حضرت کے بڑے صاحبزادے
حضرت سجادؑ	حضرت کے منجھلے صاحبزادے۔ حضرت علی اوسط اسم گرامی اور زین العابدین وسجاد لقب ہے۔
حضرت علی اصغرؑ	حضرت کے چھوٹے صاحبزادے۔
حضرت قاسمؑ	حضرت امام حسنؑ کے صاحبزادے
حضرت عونؓ حضرت محمدؓ	حضرت کے بھانجے یعنی حضرت زینبؑ کے صاحبزادے
حضرت مسلمؑ بن عقیل	حضرت کے چچازاد بھائی۔
حضرت محمدؓ بن حنفیہ	حضرت کے علاتی بھائی
حضرت حرؑ	فوج شام کے ایک افسر جو حضرت امامؑ کے ہمراہیوں میں شامل ہو کر شہید ہوئے

اہل حرم

حضرت شہر بانوؓ	حضرت امام حسینؑ کی بی بی

حضرت زینبؓ	حضرت کی بہن۔
حضرت کبریٰؑ حضرت صغریٰؑ حضرت سکینہؑ	حضرت کی صاحبزادیاں۔
فضہ	حضرت کی لونڈی

فوج شام کے بعض افراد

عبداللہ بن زیاد	کوفہ اور بصرہ کا گورنر
عمرو بن سعد	فوج کا سپہ سالار۔ صوبہ رے کا حاکم
شمر سنان ارزق بن قحطبہ وغیرہ	فوج کے افسر

اس کتاب کو ذیل کے پتہ سے طلب کیجیے

سید منظور علی علوی۔ کوٹھی منشی احتشام علی صاحب۔ امین آباد لکھنؤ

بیانِ مؤلّف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

شاہدِ سخن کا وہ جہاں سوز جلوہ جو نظم اُردو کے لباس میں دنیا کے سامنے آیا دورِ تیموریہ کا وہ زریں کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ جس پر تاریخ ہند کو ہمیشہ ناز رہے گا۔ اس آفتابِ لبِ بام کی یہ ڈوبتی ہوئی کرن اُفقِ دہلی سے ایک بار اس آب و تاب سے چمکی کہ سرزمین ہند کو اس سرے سے اُس سرے تک روشن کر گئی۔ چار طرف سے خرمنِ کمال کے خوشہ چین اور خوانِ معانی کے ریزہ خوار دوڑ پڑے اور اس شاہدِ نوخیز کی رعنائیت پر نثار ہونے لگے۔ کیونکہ اس ملکۂ سخن میں وہ تمام ادائیں دلفریبی کی فطرۃً موجود تھیں جنکی بدولت وہ سارے قلمروِ معنی پر عالمگیر حکومت قائم کر سکی تھی۔

اُس کے خوانِ نعمت کو دیکھتے ہیں تو جھرمٹ کے جھرمٹ عجمی الاصل جوانوں کے نظر آتے ہیں جو قند پارسی سے بیزار ہو کر ریختہ کی چاشنی پر چٹخاریاں لے رہے ہیں۔ اس ہمہ گیری و عالم فریبی کے ساتھ اگر دولت و حکومت کی اقبالمندی چند روز اور پشت پناہی کر جاتی تو کچھ شک نہ تھا کہ اردوے معلےٰ جس نے برج بھاشا سے نکلکر اردوے شاہجہانی میں دوسرا جنم لیا تھا دُنیا کی بڑی سے بڑی سرمایہ دار زبانوں میں ایک زبان شمار کیے جانے کے قابل ہو جاتی۔ اُسکے خزانے نظم میں ہوں یا نثر میں طرح طرح کے علوم و فنون سے معمور نظر آتے اور آج اُردو کے سرمایہ داروں کو دوسروں کا شرمندۂ احسان ہونا نہ پڑتا۔

قسمت کی خوبی کہو یا زمانے کی نیرنگی کہ نظم اُردو کا کوکب اقبال چمکا بھی، تو کب، جبکہ دولتِ تیموریہ دم توڑ رہی تھی، اجزاے سلطنت میں انتشار و عناصر حکومت میں افتراق پیدا ہو گیا تھا۔ اہل مُلک سے فضائل و محاسن ایک ایک کر کے سلب ہوتے جاتے تھے اور بجاے ان کے آثار نکبت و ادبار ارکان سلطنت سے لے کر افراد قوم تک کی رگ و پے میں سرایت کر چلے تھے۔ بادشاہ سے لے کر گدا تک ایک ہی رنگ میں شرابور نظر آتا تھا۔ ان عیش و عشرت کے متوالوں سے جو ملکداری کی صلاحیت تک رنگ رلیوں پر تصدق کر بیٹھے تھے علوم و فنون کی سرپرستی، تحقیق و تدقیق کی حمایت یا ایجاد و اختراع میں صرفِ ہمت کی کیا توقع کی جاسکتی تھی۔

اگرچہ شعرائے زماں نے جن کو قدرت نے عروسِ سخن کی مشاطہ گری کی قابلیت عطا فرمائی تھی اس محبوبۂ روزگار کا بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا لیکن مذاقِ عامّہ کے دائرہ سے وہ کب باہر جا سکتے تھے۔ قبولِ عام کا سہرا مذاقِ عامّہ کے ہاتھ میں تھا اور مذاقِ عام دربارِ سلطنت و ارکانِ دولت کے ذوقِ سلیم کا تابع۔ ذوقِ سلیم مدت گزری کہ حقیقت سے دور ہو کر مجازہی مجاز رہ گیا تھا۔ عشق و محبت کے وہ پاکیزہ جذبات جنھوں نے انسان کو بشریت سے ملکوتیت تک پہنچا کر چھوڑا اب صرف بوالہوسی کے ناپاک رجحانات تک محدود ہو کر رہ گئے تھے اسپر ع

سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

اُردو شاعری کے روح وریاں زیادہ تر قندِ پارسی کے چاشنی خوار تھے اور قندِ پارسی کا بہت پہلے سے قوام بگڑ کر سکنجبیں نعناعی بن چکا تھا۔

تاریخ فارس کی صفحہ گردانی پتہ دیتی ہے کہ قدمائے پارس نے جذبات کی مصوری اور واقعات کی نقشبندی کے لیے دو خاص خاکے بزم و رزم کے قرار دے رکھے تھے۔ یہی دونوں خاکے مختلف حیثیتوں میں متعدد پہلوؤں سے خصوصیاتِ ملکی و واقعات تاریخی کی بنا پر تخیلِ شاعرانہ کی جولاں گاہ اور شکنجۂ افکار کے معرکۃ الآرا میدان

بنتے رہے۔ ارض طوس سے جس کے گرد و پیش جنگجو قوموں کے رہنے تھے
جن کے دماغوں میں ہر دم پچھلوں کے فاتحانہ کارنامے رچے بسے رہا
کرتے تھے گلستانِ پارس کا سب سے پہلا نخلبندِ معانی اُٹھتا ہے تو
فطرۃً اپنے کو رزم کا مرد میدان پاتا ہے۔ نیزۂ قلم سنبھال کر اس شان سے
محمود غزنوی کے دربار میں آتا ہے کہ سارا دربار کانپ جاتا ہے۔
بیان کی قدرت دیکھو کہ سیستان کے ایک سپاہی زادہ کا جسے
خدا جانے کب سے دَورِ گردوں نے خاک کے تودوں میں چھپا رکھا تھا
جو بازو تھامتا ہے تو جوشن و خفتان پہنا کر حیات جاوید کی کرسی پر لا بٹھاتا
ہے۔

خاک شیراز سے جس کو مرکز دولت ہونے کی خصوصیت نے آرائش بزم
سے خاص مناسبت دے رکھی تھی ایک شیخ بزرگ عصا سے پیری
تھامے ہوئے اُٹھتے ہیں۔ باتوں باتوں میں بے تیغ و سناں یکہ و تنہا
شکرستان معانی پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ مبدء فیاض نے بذلہ سنجی
و لطیفہ گوئی کو خمیر طبیعت بنا دیا تھا جس بزم جس انجمن میں پہنچتے ہیں
تو وہ تو دو چار شکر پارے اہل بزم کی ضیافت طبع کے لیے چھوڑ کر
چلتے ہوتے ہیں لیکن انجمن کی انجمن واہ واہ کرتی رہ جاتی ہے۔

غرضکہ شعر العجم کا طائر اقبال رزم و بزم کے دو بازوؤں کے سہارے طائر سدرہ سے بازی لڑا رہا تھا کہ متصوفین کا ایک بڑا گروہ نشۂ عرفان سے جھومتا جھامتا اِدھر آ نکلا۔ اہل بزم کو سرگرم غزلخوانی دیکھ کر آپ بھی ہم آہنگ ہو بیٹھا سچ یہ ہے کہ ان رازدارانِ رموزِ حقیقت کی ہم آہنگی ہی فارسی کے معراج کمال کی سدرۃ المنتہیٰ تھی سرودِ فارس میں وجدانیات کے تمام سُر انگی گلے بازیوں کا صدقہ ہیں۔ آتشِ عشق کے وہ شرارے جو اُنکے پاک دلوں کو گرما رہے تھے لعل و گہر بنکر صدفِ زبان سے ٹپک پڑتے تھے اور عروسِ سخن کا آویزۂ گوش ہو جاتے تھے۔ فارسی زبان اور اُس کی شاعری درحقیقت اُسی وقت تک زبان اور اُسی وقت تک شاعری بنی رہی جبتک اُسپر عرفانِ الٰہی کے چشموں سے آبحیات ٹپکتا رہا۔ ان سرچشموں کا مُنھ بند ہونا تھا اور گلستانِ فارس کا مرجھا کر رہ جانا۔ یہی وہ آخری عہد ترقی تھا کہ جس کے بعد قلمرو سخن کی ملکیت اُن ہاتھوں میں جا پڑی جو خود مطالعۂ فطرت سے اُکتا کر استعارہ و تشبیہ کے خم و پیچ میں گرفتار ہو رہے تھے اور اور کائنات شاعری اسی کو سمجھ بیٹھے تھے۔ اُن کی قلمکاری کا منتہائے مقصد مناسبت الفاظ اور استعارۂ بیان سے زیادہ کچھ نہ تھا اور طابعِ نارسا کی دانغزگوئی سے اُنھیں کے آغوش تربیت میں اُردوے معلےٰ نے

پرورش پائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو شاعری اُس وسعت و ہمہ گیری اور فطرتی جذبات کی بیساختگی سے محروم ہو گئی جو نظم فارسی کی طرۂ دستار تھی۔ میدان رزم تک اُسے بار نہ ملا۔ آرائش بزم کے کام کی رہ گئی۔ بزم بھی کون؟ کیخسرو اور افراسیاب، تیمور اور اکبر کی نہیں بلکہ محمد شاہ رنگیلے یا جانِ عالم کی سبھا جسکے رقص و سرود کی داستانیں اور چنگ و رباب کی آوازیں آج تک کانوں میں گونج رہی ہیں۔

باوجود اس کے اس برج بھاشا کے پرستان کی پری کی انکھڑیوں میں خدا جانے کیا جادو بھرا تھا اور اُس کی سادہ وضعی میں قدرت نے کس بلا کی کشش رکھ دی تھی کہ باوجود اس درجہ بے بضاعتی کے یہ خود اہل زمانہ کو ایک حد تک ذوق سلیم کی چاشنی پر لگا لائی اور ہر دور میں چند ایسے باکمال پیدا کر دکھائے جن کو دربارِ اُردو کا انوری و خاقانی سعدی و حافظ کہنا کچھ بیجا نہیں۔ میرؔ و دردؔ کو دیکھو۔ سوداؔ و مصحفیؔ کے کلام پر نظر ڈالو ذوقؔ و غالبؔ کی دقیقہ سنجیوں پر غور کرو اور شیخ ناسخؔ کے کشکول سخن اور خواجہ آتشؔ کے آتشکدۂ خیال کی سیر کرو۔ قریب قریب وہی سج دھج وہی اسلوبِ بیان، وہی سادگی و بے تکلفی اور اُسی طرح کی شعلۂ عشق کی آتش افروزیاں ہیں جن سے اپنے دور میں خاقانی و انوری سعدی و

حافظؔ شبستانِ فارس کو گرماتے رہے۔ کیا اُردو اور کیا اُردو کی بساط
پھر بھی شاباش اسکے حوصلہ پر کہ بزمِ سخن کو آب و تاب دے کر بھی نچلی نہ بیٹھی
میدانِ رزم کی نارسائی کا کانٹا اُسکے دل میں چبھتا رہا اور جب تک اُسے
نکال نہ پھینکا کسی طرح قرار نہ آیا۔ اُسکے نورتن میں فردوسی کی جگہ خالی تھی اور
اُسکے بغیر نظمِ اُردو کا پرچمِ اقبال دُرفشِ کاویانی کی آب و تاب سے شرماتا تھا۔
لیکن مشکل یہ تھی کہ رزمیہ شاعری اصولاً محتاج ہے واقعاتِ شجاعت و جواں مردی
کی۔ اور ایسے واقعات و فتوحات کا مُلک میں تخم ہی باقی نہ رہا تھا۔ اگر کچھ تھا
تو وہ اہلِ مُلک کی مفتوحانہ غلامی کی داستان کا ایک ورق، جو ہر پہلو سے ناقابلِ
ذکر و ناقابلِ بیان۔ اُس پر طبع آزمائی کا کسے حوصلہ ہو سکتا تھا۔ اُسکے طائرِ
ہمت کا بالِ پرواز دیکھو کہ کس خوبی سے اُس نے یہ مہم بھی سر کی۔ سرزمینِ وطن
کی ناقابلیت نے جب صاف جواب دیدیا تو سمندر پار جا کر اپنے لیے میدانِ
کارزار ڈھونڈھ نکالا۔ میدان کا ہاتھ آنا تھا کہ آگے پیچھے طبیعت دار نوجوان
چل کھڑے ہوے۔ ابھی قافلہ عراقِ عرب ہی تک پہنچا تھا کہ میدانِ کربلا
نظر آیا۔ حُسنِ عقیدت نے آواز دی کہ کہاں جاتے ہو سرمایۂ کائنات اسی خاکِ
پاک میں ودیعت ہے۔ پردۂ غیب کی یہ آواز دردمندوں پر کام کر گئی۔ یہ جبینِ
ارادت ٹیک کر وہیں بیٹھ گئے اور لگے دامن بھر بھر کر گوہرِ اشک نچھاور کرنے۔

اُردو کی بازار میں جواہر سخن کی مانگ تھی، گوہر اشک کو کون پوچھتا۔ پھر بھی خوش اعتقاد بزرگوں نے طرۂ دستار بنانے میں کمی نہیں کی لیکن میدان داری کی اُمنگ جس نے اُنسے ایسی کڑی منزل طے کرائی تھی دل کی دل ہی میں رہی جاتی تھی کیونکہ میدان کی صعوبت اور واقعات تاریخ کی تلخی حوصلہ مند سے حوصلہ مند کو رُلائے بغیر نچھوڑتی تھی۔ آفریں ہے میر ضمیر اور میر خلیق کی زور آزمائیوں پر کہ وہ دھوکر اگلوں کے نقش قدم پر تھوڑے تھوڑے تصرفات سے اپنے لیے ایک راستہ نکال لائے۔ مرثیہ جس کی اصلی وضع مصائب امام ہمام کی مصوری اور جسکی علت ایصالِ ثواب وحصولِ نجات سے زیادہ کچھ نہ تھی۔ ان دو باکمالوں کے ہاتھوں ہر طرح تخیل شاعری وحُسنِ بیان کا موضوع قرار پاچلا۔

ان دو حوصلہ مندوں نے ایک طرف تو اپنی طبیعت داریوں کے جوہر دکھلائے دوسری طرف اپنے آغوشِ تربیت میں میر ببر علی اَنیس اور مرزا سلامت علی دبیر کو میدان داری کے گھر گھاٹ سکھا کر آگے بڑھایا۔

یہ دونوں فصاحت وبلاغت کے پرچم اُڑاتے ہوے اس جوش وخروش سے میدان میں آئے کہ درفش کاویانی کی دھجیاں اُڑادیں۔ انکے آنے ہی کی دیر تھی۔ یہ کیا آئے میدان سخن ہی ہاتھ آگیا۔ خاقانی نے بڑھ کر مرزا کا بازو تھاما اور لسان الغیب نے میر صاحب پر تحسین کے پھول برسائے۔

"میر و مرزا" ان دو لفظوں میں کیا جانے کیا برکت خدا نے دے رکھی تھی کہ جس طرح نظم اُردو کا ایوانِ بزم میر تقی اور مرزا رفیع کے قوتِ بازو پر قائم ہوا اُسی طرح میدانِ رزم میر انیس اور مرزا دبیر کی نوک قلم کے نیچے رہا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ قلمروِ اُردو کا میدان رزم آراستگی و سجاوٹ میں اُسکے ایوانِ بزم سے ہیٹا رہ گیا ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو محاسن شاعری اور کمالِ سخنوری کے اعتبار سے اگر کوئی کمی باقی رہ گئی تھی تو اُسے بھی میر انیس کی قدرتِ کلام اور مرصع کاری نے پورا کر کے نظم اردو کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا جس مرثیہ کو اٹھاکر دیکھو باغ و بہار نظر آتا ہے۔ طرح طرح کے گلہائے مضامین کھلے ہوئے ہیں عروسِ سخن کی گود جواہر معنی سے بھری پڑی ہے۔ فطرتِ انسانی اور اُسکے قلبی جذبات کے وہ خاکے نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں جن پر آج تک کسی زبان کی شاعرانہ تخئیل قابو نہ پاسکی۔ اُسپر الفاظ کا تناسب، بندش کی چستی و برجستگی، زبان کی نزہت و پاکیزگی، بیان کی روانی چار چاند لگاتی جاتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

تیرا اندازِ بیان شانۂ زلفِ الہام
تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ جبریل

لیکن جس طرح یہ واقعہ تاریخی کے متعدد واقعات اجزائے ترکیبی ہوا کرتے ہیں

واقعۂ شہادت حضرت سیّد الشہدا بھی بہت سے اجزائے طبعی کا مجموعہ تھا جسکے ہر فرد کو مرثیہ گویوں نے مختلف بحروں میں جدا جدا مرثیوں کا موضوع قرار دیکر اپنی صناعی کے جوہر دکھلائے تھے اس لیے اُن سلسلۂ واقعات پر بیک نگاہ نظر ڈالنی یا یوں کہو کہ مختلف جذبات فطرت کو کسی ایک صحیفہ میں مطالعہ کرنا قدردانانِ سخن کے لیے دشوار ہوگیا تھا۔ آج جبکہ اہلِ مُلک کی نگاہوں پر مغربی عینکیں چڑھی ہوئی ہیں، ذوق سخن یوروپین لٹریچر اور اُسکے اسلوب بیان کا دلدادہ ہورہا ہے اور نئی تعلیم یافتہ نسل مسلسل اور مکمل نظموں کی تلاش میں سرگرم ہے، مذاق عامہ کے تقاضہ سے میں نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک سلکِ گہر میں پرونے کی ہمت باندھ کر سب سے پہلے میر صاحب کے خرمنِ کمال پر چنگل مارا۔ میر و مرزا کی افضلیت کا سوال میرے حل کرنے کی بات نہیں۔ میرے انتخاب کی اولیت کو اس بحث سے کچھ تعلق ہی نہیں۔ یہ وہ پُرانا جھگڑا ہے جو ان دونوں باکمال بزرگوں کے نشو و نما کے ساتھ ساتھ عالم وجود میں آیا اور جب تک بزم معانی ان دونوں کی گرمیِ سخن سے گرماتی رہے گی یہ جھگڑا بھی ہنگامہ پسند طبائع کی ضیافتِ طبع کرتا رہے گا۔ کسی بزرگ نے اس قضیہ میں لسان الغیب سے تفاول کیا۔ خواجہ صاحب کی حاضر جوابی دیکھو۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ستارۂ بدرخشید و ماہِ مجلس شد
دل رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

زبان اُردو کی اول ایپک پوئیم کا یہ پہلا حصہ جو واقعاتِ ابتدائی کے سلسلہ میں شہادت امام علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے بالفعل اہل سخن کی نذر کیا جاتا ہے۔ دوسرا حصہ جو تاراجِ حرم محترم سے لے کر واپسی مدینۂ منورہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے بعد کو شائع کیا جائے گا۔

اس انتخاب کے دونوں حصے اوّل سے آخر تک تنہا بحر رجز باختلاف زحافات میں ہیں۔ بلحاظ واقعات سلسلہ کلام منقطع نہیں ہونے پایا ہے۔ جدا جدا مرثیوں سے بہتر سے بہتر بند لے کر اس طرح اُنکو جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بادی النظر میں احساس مشکل ہے۔

سوا دو ایک جگہ کے اور وہ بھی بضرورت ربط کلام کہیں کوئی تصرف نہ کیا گیا ہے نہ کسی کی مجال ہے۔ دوسرے حصہ کے آخر میں ان تصرفات کی تفصیل کردی گئی ہے۔

منظور علی علوی

لکھنؤ ۲۵ راکتوبر ۱۹۱۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدینے سے روانگی

کنعان محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے
خورشید تھا نہ زہرہ جبینوں کا سفر ہے

چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے
اک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے

گلرو چمن دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے

واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے
چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے

آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی بھٹکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام ——— کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمہ و آلام ——— منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے نہضت فرزند پیمبرؐ ——— جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے لوں[۱] چلتی ہے دن بھر ——— چیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتّے بھی درختوں میں نہیں ہیں

(۵) وہ لوں وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا ——— مردی میں ہو ذکر اُس کا تو آجائے پسینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا ——— ویرانہ ہے بستی میں اُجڑتا ہے مدینا
حضرت بھی گُھلے جاتے ہیں تشویش سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

برپا ہے مدینہ میں تلاطم کئی دن سے ——— ہے راحت و آرام طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شورِ تظلّم[۲] کئی دن سے ——— منھ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

۱؎ بادِ سموم ۱۲ ۲؎ فریاد کرنا کسی کے ظلم سے ۱۲

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے — کیا جانیے خط کوفہ سے کس طرح کے آئے
روضہ پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے — کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے — جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے — چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اُجالا نہ رہے گا

در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گذر میں — تاریک ہے دُنیا کسی غمگیں کی نظر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب بیبیاں گھر میں — اک حشر ہے ناموسِ شہِ جن و بشر میں
سب مِل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مرجاتا ہے کوئی

سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا — کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا (۱۰
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا — وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوں اور وہ صحرا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں

منہ دیکھ کے اصغر کا چلا آتا ہے رونا — آرام سے مادر کے کہاں گود میں سونا
جھولا یہ کہاں اور کہاں نرم بچھونا — لکھا تھا اسی بن میں مسافر انھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کمھلائینگے ماں ہاتھ ملے گی

سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی — جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی — کس طرح جئیں گے اسد اللہ کے جانی
تونسا ہوا بچہ کبھی جانبر نہیں ہوتا
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا

ہے ہے چھ مہینے کے بھی بچے کا سفر ہے — کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے — رحم آپ پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
اصغر کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو

فرماتی تھیں زینبؑ نہیں بہنوں کو کوئی چارا — قسمت میں جدا ہی ہے تو کیا زور ہمارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا — مجبور ہے مضطر ہے ید اللہ کا پیارا
ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں

۵۱) باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہ بحر و بر آئے
دیکھا رُخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
ماں بیٹھی تھی صغرا کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہِ دیں وہیں لائے
بیٹی شہِ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اُسکے قریب آکے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغرا
بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغرا

صحت تمھیں حق دے یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمھیں پاتا ہوں صغرا
اس رنج سے میں اور گھلا جاتا ہوں صغرا

ایسا سفر صعب[1] اور اسطرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے ازمانِ حرارت سے تنِ زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

[1] صعب بالفتح دشوار بالضم غلط ہے ۱۲

دم چڑھتا ہے بستر سے اُٹھاتی ہو اگر سر   بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
گھر میں تمہیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر   پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسّر
تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
سب سے ہے یہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

(۲۰) لو چلتی ہے خاک اُڑتی ہے گرمی کے ہیں ایام   منزل ہو نہ راحت نہ کہیں راہ میں آرام
بستی میں پہنچیں صبح تو جنگل میں کہیں شام   دریا کہیں حائل کہیں پانی کا نہیں نام
صحت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

گھر میں تمہیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا   لیجاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمہارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا   مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں سدا نالہ و فریاد کروں گا
اُتروں گا جو منزل پہ تمہیں یاد کروں گا

صغرا نے کہا آپ کی اُلفت کے میں قربان   پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائیگا سامان   مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درمان
جس پر نظر لطف مسیح دو سرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک آن میں شفا ہو

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت میں کئی روز سے خفت
بستر سے میں خود اُٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے مُنھ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
سب سہل ہے کچھ مجھکو نہیں ہونے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں اے سیدِ والا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم میں گھبرائی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤنگی بچھڑی جو مسیحِ دوسرا سے
صحت مجھے ہو جائیگی حضرت کی دعا سے (۵
کٹ جائے گا اندوہِ سفر فضلِ خدا سے
بیماری میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤں گی نہ غم کھاؤنگی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی آؤں گی بابا

کیا تاب اگر مُنھ سے کہوں درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑکے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہونگی سفر میں
قربان گئی چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہوجانا خفا راہ میں اگر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے جو واں سوئے گی صغرا

وہ بات نہ ہو گی کہ جو بیچین ہو مادر — ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہینگے علی اصغر — لونڈی ہوں سکینہ کی نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا مجھے فضہ کی سواری میں بٹھا دو

شہ بولے کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ — میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ — ایسا بھی کوئی ہے جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحت حق یہی جو کہتا ہوں صغرا

اے نور بصر آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا — تو مجھ سے بہلتی مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا — یہ ضعف کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

(۳۰) تھوڑے ہی دنوں ہوئیگی کنبے سے جدائی — پردیس سے آکر تمھیں لیجائینگے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوفہ کی خلقت نے برائی — ممکن ہے کہ میں لوٹ کے کروں وعدہ وفائی
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مرجاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغراؓ یہ کہ اب ہم رہے گھر میں — بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں — صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شبِ ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تنِ زار کہ تپ آ گئی اُس کو

مُنھ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم — چتونوں سے عیاں تھا کہ چلیں آپ موئے ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہِ عالم — میرے تو کلیجے پہ چھُری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد کا چارا نہیں صغراؓ
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغراؓ

صغراؓ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار — سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار — اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں جائینگی وہ ہمراہ — کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ — سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطرِ ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہونگی تو سب یاد کرینگے

(۳۵) کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مُردے کی طرح ہو گئی دشوار کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہے کونسا آزار

حیرت میں ہوں باعث مجھے کُھلتا نہیں اسکا
وہ آنکھ چُرا لیتا ہے مُنھ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیامِ اجل آیا ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا کیا خوب مری نخلِ تمنا میں پھل آیا

دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہوا ہائے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں لے ولے کُنبے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے

بیمارئِ مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اُتر جائیگی یہ تپ ہاں درد بھی سر میں مرے ہوئیگا نہیں اب
تڑپونگی تو جاے گی یہ اعضا شکنی سب بہتر یہی ترکیب ہے نسخہ یہی انسب

کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
غم کھانے سے آجائیگی طاقت مرے تن میں

کھوئیگا یہ وحشت کو بھی راتوں کا نہ سونا   تفریح مجھے بخشے گا منھ اشکوں سے دھونا
تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ ہونا   تنقیہ کامل ہے مرے واسطے رونا

راحت اسے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا

تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی   بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امام دو جہاں کی   شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی نہ ماں کی

فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
میں گھر میں نہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا

سب چاہنے والے ہیں کروں کسکی شکایت   بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت   بولیں نہ پھوپھی جان بھی کچھ واہ ری قسمت

فرقت کا الم میرے کلیجے پہ چھری ہے
سب اچھے ہیں لو گو مری تقدیر بری ہے

عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں واری   دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
قاسم کو غرض کیا جو سنیں گریہ و زاری   میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری

اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے
مٹی مری کچھ قبر کو دشوار نہیں ہے

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُنکے یہ تقریر — چھاتی سے لگا کر اُسے رونے لگے شبیر رضؑ
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر — منھ دیکھ کے چُپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
"اچھا" تو کہا مُنھ سے پہ آنسو نکل آئے

بانو کو اشارا کیا حضرت نے کہ جاؤ — اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بلاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہ نے آؤ — روٹھی ہے بہن تم سے گلے اسکو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
بیٹی انھیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے یہ کی پیار کی تقریر — کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغراؑ مری تقصیر (۵)
چلانے لگی چھاتی پہ منھ رکھ کے وہ دلگیر — محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اُتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

پیارے مرے بھیا مرے مہرو علی اکبرؑ — چھپ جائینگے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ — ڈھونڈینگی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو علی اکبرؑ
دل سینہ میں کیونکر تہہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اُجالا نہ رہے گا

ہاں سچ ہے کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
صحت ہے جو ہیں اُن میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا جواب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہونگے روانا

کیا لطف کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے تو یہ راہ ہماری

مرنا تو مقدم ہے غم اسکا نہیں زنہار
دھڑکا ہے کہ جب ہونگے عیاں موت کے آثار
قبلہ کی طرف کون کرے گا رخ بیمار
یسٓ بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غمخوار

سانس اُکھڑے گی جسوقت تو فریاد کرونگی
میں ہچکیاں لے لے کے تمھیں یاد کرونگی

ماں بولی یہ کیا کہتی ہے صغرا ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بیکس مری بچی ترا اللہ نگہبان
صحت ہو تجھے میری دعا ہے یہی ہر آن

کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا
گھبرا کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا

میں صدقے گئی بس نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے صدا سُن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
آ آ مرے ننھے سے مسافر ترے واری

چھٹتی ہے یہ بیمار بہن جان گئے تم
اصغر مری آواز کو پہچان گئے تم

تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی　　تپ ہے تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے وہ لب پہ سخن لا نہیں سکتی　　رکھ لوں تمھیں اماں کو میں سمجھا نہیں سکتی

بیکس ہوں مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

معصوم نے جس دم یہ سُنی درد کی گفتار　　صغراؑ کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار　　جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار

دنیا سے کوئی دم میں گذر جائے گی صغراؑ
تم بھی یہ سمجھتے ہو کہ مر جائے گی صغراؑ

عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا　　چلنے کے لیے قافلہ تیار ہے آقا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغراؑ کو دوبارا　　اُٹھے شہِ دیں گھر تہ و بالا ہوا سارا

جس چشم کو دیکھا سو وہ پُر نم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

بیت الشرف خاص سے نکلے شہِ ابرار　　روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فراشوں کو عباسؑ پکارے یہ بتکرار　　پردے کی قناتوں سے خبردار خبردار

باہر حرم آتے ہیں رسولِ دوسرا کے
شقہ کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو وہ اُتر جائے — آتا ہو ادھر جو وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گذر جائے — دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا حق نے شرف اُن کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

عباسِ علیؑ سے علی اکبرؑ نے کہا تب — ہیں قافلہ سالارِ حرم حضرتِ زینبؑ
پہلے ہوں وہ اسوار تو محمل میں چڑھیں سب — حضرت نے کہا ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے زہراؑ کی جگہ بنتِ علیؑ ہے
مَیں جانتا ہوں ماں مرے ہمراہ چلی ہے

زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہراؑ — ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیدِ والا
آنے لگے رہوار کھلا گرد کا پردا — عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربیؐ پر

ہے قبر پہ نانا کے مقدم مجھے جانا — کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا — اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسنؑ سے

پیدل شہ دیں روضۂ احمد کو سدھارے
تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے

خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

خادم کو کوئی امن کی جا اب نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کونسا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں راہ وہ اصلا نہیں ملتی

پابند مصیبت ہوں گرفتار بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرف قبر چلا ہوں

میں اک تن تنہا ہوں ستمگار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط اور خریدار ہزاروں

واں جمع کئی شہر کے خونریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

فرمایئے اب جائے کدھر آپ کا شبیرؑ
یاں قید کی ہے فکر ادھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے اور کہیں زنجیر
خونریزی کو کعبے تلک آپہنچے ہیں بے پیر

بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا
تربت میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا

فرما کے یہ رویا کیے شہ سر کو جھکائے   واں سے جو اُٹھے فاطمہؓ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے   آواز یہ آئی کہ میں صدقے مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

پہلو میں جو تھی فاطمہؓ کے تربتِ شبّرؓ   اُس قبر سے لپٹے بہ محبت شہِ صفدر
چلّائے کہ شبیر کی رخصت ہے برادر   حضرت کو تو پہلو ہوا ماں کا میسّر
قبریں بھی جدا ہیں تہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لیجائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبرِ حسنؓ سے شہِ مظلوم   رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم (۵
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم   چلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسولِ عربیؐ کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت   سمجھاتے ہوئے سبکو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت   پائینگے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں اُنھیں دیدے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ
پھرنے کے نہیں ہمسے بس اب ہاتھ اُٹھاؤ

اُس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
عابد طرفِ خانۂ اللہ سدھارے

اُترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

مکّہ سے روانگی

روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نور خدا سے مکّہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خو بوہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبہ میں مدینہ سے تھے یہ سوچ کے آئے تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے سو واں بھی یہ تھا خوف کہ حج کرنے نہ پائے
اللہ نے پیدا کیا کعبہ میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

مضطر تھے شبِ ہشتم ذی حجّہ کو شبیرؑ تھا قصد مصمم کہ سوے کوفہ ہوں رہگیر
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر اب یاں سے کہاں دیکھیے لیجاتی ہے تقدیر
پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

حضرت محمد بن حنفیہؓ سے گفتگو

تھے سبطِ نبی کوچ کی تدبیر میں اس رات | کی آکے جو ابنِ حنفیہؓ نے ملاقات
بھائی سے بغلگیر ہوئے شاہِ خوش اوقات | کی عرض محمدؓ نے کہ اے قبلۂ حاجات
کوفہ کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکہ میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا نشاں ہے

حق آپ کا سایہ رکھے ہم لوگوں کے سر پر | ہیں آپ ہی اب وارث ذریتِ حیدرؓ
کعبہ سے اُدھر آپ کا جانا نہیں بہتر | اندیشہ ہے کچھ رنج نہ پہنچائیں ستمگر
اُن لوگوں میں مطلق نہ حمیت نہ حیا ہے
ظاہر میں طرفدار ہیں طینت میں دغا ہے

حیدرؓ ہیں نہ زہراؓ نہ حسنؓ ہیں نہ پیمبرؐ | تم چار بزرگوں کی نشانی ہو برادر
حضرت ہی کے رہنے سے مدینہ ہے منور | سُن سُن کے فروغ آپ کا جلتے ہیں ستمگر
اس شمع کو بھی گُل نہ کریں مجھ کو یہ غم ہے
اب پنجتنِ پاک میں حضرت ہی کا دم ہے

حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانا | بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانا | اب کوئے مدینہ میں نہ مکے میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

کرتا نہ سفر گر مجھے کوئی نہ ستاتا
باہر کبھی روضہ سے محمدؐ کے نہ جاتا
مرقد سے بزرگوں کے مقدر ہے چھڑاتا
میں کیا کروں بھائی مجھے کچھ بن نہیں آتا
بیدینوں کو جینا مرا منظور نہیں ہے
ہو جاؤں نہیں قتل تو کچھ دور نہیں ہے

ابنِ حنفیہؓ نے کہا تب بہ سماجت
گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
واں آپ کے والد کی ہے شیعوں کی سکونت
وہ لوگ ہیں سب اہلِ وفا اہلِ مروت
کیجیے گا سرفراز تو قدموں پہ گریں گے
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے

بالفرض یمن میں بھی جو آرام نہ پاؤ
شہروں سے کنارہ کرو جنگل کو بساؤ
تکلیف بیاباں میں سہو رنج اُٹھاؤ
پر بہرِ خدا کوفہ کی سرحد میں نہ جاؤ
بچوں پہ کرو رحم کہ چھوٹے ابھی سن ہیں
اس راہ میں پانی ہے کم اور گرمی کے دن ہیں

فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا
چھوڑے گی اجل ساتھ نہ زہراؓ کے پسر کا
اب دھیان ہے شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا
اب کاہیکو سفر مجھکو وسیلہ ہے ظفر کا
گر کوچ سوئے کوفہ ہوئے گا برادر
پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر

(۸۰) یہ سن کے محمدؓ نے کیا اور بھی اصرار — جھک جھک گئے قدموں پہ برادر کے کئی بار
شہ نے کہا اسباب تو ہے کوچ کا تیار — پھر جانے نہ جانے میں کروں مشورہ یکبار
جاتا ہے تو ایذا کو بھی سہ جائے گا شبیرؓ
رہتا ہے مقدر میں تو رہ جائے گا شبیرؓ

گھر اپنے محمدؓ تو گئے سن کے یہ گفتار — گذری جو وہ شب صبح کے پیدا ہوئے آثار
حضرت نے کیا حکم کہ اونٹوں کو کرو بار — نقارہ ہوا کوچ کا سب ہو گئے تیار
تھا شور کہ اب دیکھیے کب آتے ہیں شبیرؓ
کعبے سے مع اہل حرم جاتے ہیں شبیرؓ

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبط پیمبر — فریاد سوے کعبہ کی یہ ہاتھ اٹھا کر
چھٹتا ہوں ترے گھر سے میں اے خالق اکبر — اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسر
بس آن کے ڈر سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

اے رکن و مقام اب مرا کوچ یہاں سے — چھٹتا ہے مکیں خالق اکبر کے مکاں سے
اس دشت میں مشتاق قضا جاتا ہوں یا تیے — ٹکڑے مجھے ہونا ہے جہاں تیغ و سناں سے
کچھ غم نہیں دکھ ہو کہ بلا آئے بلا پر
راضی ہوں خداوند دو عالم کی رضا پر

اس راہ میں اب مجھکو توقف کی نہیں تاب — رخصت ہے مری اے حجرہ و منبر و محراب
دل غم سے بھرا آتا ہے اے زمزم و میزاب — دریا پہ لعین ذبح کرینگے مجھے بے آب
اک جام دم تشنہ دہانی نہ ملے گا
چاہیں گے کنووں سے بھی تو پانی نہ ملے گا

اے کوہ صفا دل ہے مکدر ترے غم سے — صد پارہ ہے سینے میں جگر سنگ الم سے
افسوس کہ کچھ ہو نہ سکی سعی بھی ہم سے — قسمت لیے جاتی ہے پہاڑوں میں حرم سے
سب لعل مرے گرد غریبی سے اٹھیں گے
گرمی کے یہ دن بچوں پہ سختی سے کٹیں گے

پھر قبر محمدؐ کی طرف بڑھ کے زیارت — کی عرض مسافر کی دوبارہ ہے یہ رخصت
کعبہ میں بھی مولا نہ میسر ہوئی راحت — آزار پہ باندھے ہیں کمر اہل ضلالت
مخفی ہوئے ہیں قافلۂ حاج میں آ کے
پائیں تو مجھے ذبح کریں گھر میں خدا کے

ملجا ہے نہ ماوا ہے نہ مامن نہ مفر ہے — غربت کا تباہی کا مصیبت کا سفر ہے
تلواریں ہیں جلادوں کی اور اک مرا سر ہے — رکھتا ہوں جہاں پاؤں وہاں خوف و خطر ہے
توڑیں انہیں گر پھول بھی پائیں مری بو کے
کانٹے بھی ہیں جنگل میں تو پیاسے ہیں لہو کے

دُنیا میں ہیں دو امن کے گھر یا شہِ ابرار | اک خانۂ حق ایک درِ احمدِ مختار
بے خوف ہے یاں آکے جو مخفی ہو گنہگار | کر سکتا ہے سلطاں نہ وزیر اُسکو گرفتار

یہ خانۂ خالق ہے وہ حضرت کا مکاں ہے
میرے لیے امن نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

حاکم نے مدینہ کے اُدھر مجھکو ستایا | میں سوے حرم ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا
جلادوں سے یاں بھی کوئی دم چین نہ پایا | میں دھوپ میں ہوں جب سے اُٹھا آپکا سایا

حج بھی نہ میسّر ہوا مغموم چلا ہوں
احرام تلک باندھ کے محروم چلا ہوں

(۹۰) فریاد ہے راحت مرے مولا نہیں ملتی | اک خیمہ بپا کرنے کو بھی جا نہیں ملتی
اب راہ پہاڑوں کی بھی اصلا نہیں ملتی | دیکھوں مجھے ملتی ہے لحد یا نہیں ملتی

راحت مری اُمت ہی کو منظور نہیں ہے
مٹی بھی نہ دیں مجھکو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ کہہ کے بڑھا یا شہِ مظلوم نے رہوار | جو آئے بھرا ابنِ حنفیہؓ بہ دلِ زار
قدموں سے لپٹ کر کہا یا سیدِ ابرار | اس جلدی کے جانے کا سبب کیجے اظہار

میں سمجھا تھا شب کو کہ ٹھہر جاؤ گے مولا
کیا آج ہی بیکس ہمیں کر جاؤ گے مولا؟

لپٹا کے گلے بھائی کو رونے لگے حضرت　　فرمایا کہ تھا رات تلک قصدِ اقامت
لیکن مجھے نیند آگئی جب تم ہوئے رخصت　　رویا میں میسّر ہوئی نانا کی زیارت
تھا اشکوں سے تر چہرۂ گلرنگ محمدؐ
آلودہ تھے سب خاک میں گیسوے محمدؐ

رو کر یہ کہا میں نے کہ اے شاہ خوش اقبال　　بندہ تو ہے آفت میں یہ کیا آپ کا ہے حال
فرمایا میں صدقے ترے اے فاطمہؑ کے لال　　کھیتی کو مری دشمنِ دیں کرتے ہیں پامال
راحت کا محمدؐ کے سرانجام کہاں ہے
جب تو ہوا بیچین تو آرام کہاں ہے

آلودہ جو ہیں خاک سے گیسو مرے سارے　　میں تیری لحد کھودتا تھا اے مرے پیارے
رویا ہوں تری پیاس پہ دریا کے کنارے　　جا جلد کہ حق نے ترے سب کام سنوارے
اب تو مرے پاس آئے گا کچھ دیر نہیں ہے
جن رتبوں کا وعدہ تھا وہ ہنگام قریں ہے

ہے تیری شہادت ترے معشوق کو منظور　　تا عاشقِ صادق رہے تو خلق میں مشہور (۵
حیدرؓ کی طرح ہے ترا دل صبر سے معمور　　تجھسے بھی وہ ہوگا جو کسی کا نہیں مقدور
ہے قول کا صادق تری کیا بات ہے بیٹا
عزت مری اُمت کی ترے ہاتھ ہے بیٹا

مُنہ پیٹ لیا سُن کے محمدؐ نے یہ تقریر — روروکے کہا گر ہے یہی خواہشِ تقدیر
ناموس کو چھوڑو یہیں اے حضرتِ شبیرؑ — حرمت حرم میں ہے تا صاحبِ تطہیر
پردیس میں کیا جانیے کیا جور و جفا ہو
ڈر ہے کہیں زینبؑ نہ گرفتارِ بلا ہو

زینبؑ کی اسیری کا سخن سنتے ہی یکبار — تھرا گیا دل رونے لگے سیدِ ابرار
سُنتی تھی یہ تقریر جو سب زینبؑ ناچار — محمل سے محمدؐ کو پکاری بہ دلِ زار
کی تم نے سفارش مری کیا آہ برادر
بھائی سے چھُڑاتے ہو مجھے واہ برادر

رہنے کی نہیں حیدرِ کرارؑ کی جائی — بھائی کے لیے ماں کی لحد چھوڑ کے آئی
نانا کے بھی روضہ سے ہوئی مجھکو جدائی — مرجاؤنگی بچھڑے گا جو مجھ سے مرا بھائی
ہمراہ میں کاٹوں گی مصیبت کے سفر کو
تنہا نہیں چھوڑونگی محمدؐ کے جگر کو

اب گھر سے ہے مطلب نہ مدینے سے مجھے کام — وہ شہر ہے جس بن میں ہو زہراؑ کا گل اندام
میں یاں نہ رہونگی مرے رہنے کا نہ لو نام — بھائی مجھے معلوم ہے اس کوچ کا انجام
بابا نے مرے ہاتھ میں ہاتھ ان کا دیا ہے
اماں نے مجھے بھائی کے ہمراہ کیا ہے

۱۰ یہ کہہ کے جو روئی اسد اللہؓ کی پیاری ابنِ حنفیہؓ کے بھی آنسو ہوئے جاری
حضرت نے کہا بھائی سے با گریہ و زاری بہنیں مری قیدی ہوں یہ ہے مرضی باری
کٹ کر سرِ شبیرؓ تو نیزے پہ علم ہو
پیچھے کھلے سر قافلۂ اہلِ حرم ہو

یہ سب تو مرے ساتھ ہیں آفت کے سفر میں پر فاطمہ صغراؓ کو میں چھوڑ آیا ہوں گھر میں
ہے غم اسکی جدائی سے بہت دردِ جگر میں ڈر ہے کہیں مر جائے نہ وہ ہجرِ پدر میں
روئے تو مرے سر کی قسم دیجیو بھائی
بیمار کو چھاتی سے لگا لیجیو بھائی

صغراؓ کا سنا نام تو بانوؓ یہ پکاری کہہ دیجیو کہ مادر تمھیں بھولی نہیں پیاری
بہنوں کو بھی ہے آٹھ پہر یاد تمھاری اصغرؓ مری گودی میں کیا کرتا ہے زاری
راتوں کو ترے غم میں نہیں سوتی ہے کبراؓ
جب ذکر ترا آتا ہے تب روتی ہے کبراؓ

ماں صدقے نہ تم آپ کو کڑھ کڑھ کے گھلانا ہمجولیوں کو پاس محلے سے بلانا
بابا کے لیے چھوڑ نہ دیجیو کہیں کھانا روٹھونگی اگر میرا کہا تم نے نہ مانا
ایامِ جدائی بھی گذر جائیں گے بیٹی
اللہ جو پھیرے گا تو پھر آئیں گے بیٹی

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا بھائی کو رخصت ہوئے شبیرؑ

تھا حاجیوں میں غل کہ زہے عزت و توقیر
کس شان سے خاصانِ خدا ہوتے ہیں رہگیر

کیا نور ہے چہرے پہ ہر اک غنچہ دہن کے
یہ پھول ہیں سب فاطمہ زہراؑ کے چمن کے

ہر سمت سے چمن جوں یہ بیاں کرتی تھی خلقت
گھوڑے پہ چلے جاتے تھے روتے ہوئے حضرتؑ

ہر ایک سے فرماتے تھے یہ تھام کے رقت
تم سب سے بھی شبیرؑ کی ہے آخری رخصت

اپنوں سے چھٹا، حال نہ کیوں غیر ہو میرا
مانگو یہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

راستہ

یہ کہہ کے روانہ ہوا وہ خاصۂ باری　　گویا کہ بیاباں میں چلی بادِ بہاری
جنگل میں کھلا باغ یہ خوشبو ہوئی ساری　　فیاض نے صحرا کی بھی کی کاربراری
مہکے جو وہ گیسو تو بیاباں کی بن آئی
نافے لیے جھولی میں نسیمِ ختن آئی

اونٹوں کو بھی تھا وجد حدی خواں کی صدا سے　　گھوڑے بھی طراروں میں کچھ آگے تھے ہوا سے
غافل نہ تھا لشکر میں کوئی یادِ خدا سے　　صاف آتی تھی تکبیر کی آواز درا سے
صحرا تھا ادھر اور ادھر دامن تھا جبل کا
غل ہوتا تھا اک حیّ علےٰ خیر عمل کا

جس دشت میں اس سروِ رواں کے قدم آئے　　پابوس کو خار و گل و ریحاں بہم آئے
یوں آئے جدھر بڑھ کے امامِ امم آئے　　جس طرح برستا ہوا ابرِ کرم آئے
جو خشک تھا برسوں سے وہ جنگل بھی ہرا تھا
صحرا کا جو دامن تھا وہ پھولوں سے بھرا تھا

سب کہتے تھے لے احمد مختار کے جائے — کیوں خانۂ حق چھوڑ کے مولا ادھر آئے
فرماتے تھے شبیرؑ کہ ہم رہ نہ پائے — یوں کوئی مسلماں نہ مسلماں کو ستائے
تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے
تدبیر گرفتاری شبیرؑ ہوئی ہے

(۱۱۰) گر دست ستم حج میں بڑھاتے وہ ستمگار — چلتی حرم حضرت معبود میں تلوار
بگڑے تھے خبر سنتے ہی عباسِؑ خوش اطوار — باندھے رہے تا صبح سر شام سے ہتھیار
بپھرے ہوئے ضیغم کہیں افواج سے رکتے
نہ مجھ سے نہ یہ قافلۂ حاج سے رکتے

سوچا میں کہ یاں مجھ پہ اگر کچھ ہوئی بیداد — حرمت حرم کعبہ کی ہو جائے گی برباد
گر ساتھ نہ ہوتی اسد اللہؑ کی اولاد — حاضر تھا میں گر سر بھی مرا کاٹتے جلاد
پہلے جو فساد آہ ادھر سے نہ نکلتا
مر کر بھی میں اللہ کے گھر سے نہ نکلتا

کس کو نہیں معلوم یہ چرخ مقرنس — مولد مرے بابا کا ہے یہ خانۂ اقدس
فرصت نہ ملی حج کی میں ایسا ہوا بے بس — مقدور پہ مجھسا بھی تو ہوگا کوئی بے بس
تیغوں سے نہ ملتی انھیں مہلت کوئی دم کی
واللہ مجھے پاس تھا حرمت کا حرم کی

سب عرض یہ کرتے تھے کہ اے خلق کے والی — قریوں میں غلاموں کے مکاں بھی تو ہیں خالی
بندوں کو سرافراز کریں سرورِ عالی — مہماں ہو غریبوں کے یہ انصار و موالی
فخر اُسکا ہے رُخ آپ کا جس در کی طرف ہو
عزت ہو جو مردوں کی تو زندوں کا شرف ہو

سرسبز زراعت بھی جھیلیں بھی ہیں پُر آب — میوے بھی تر و تازہ ہیں گلشن بھی ہیں شاداب
حاضر ہے ہر اک چیز جو امکاں میں ہے اسباب — باہر ہو کوئی حکم سے مولا کے یہ کیا تاب
جیتے ہیں تو حضرت کی غلامی میں مریں گے
ہم جان بھی دینے میں صرفہ نہ کریں گے

فرماتے تھے حضرت تمھیں خالق رکھے آباد — دنیا میں برومند ہو ایک ایک کی اولاد (۵
کیا اپنی تباہی کہوں میں بیکس و ناشاد — روؤ گے مفصل جو سنو گے مری روداد
درپیش ہے وہ راہ کہ کچھ کہہ نہیں سکتا
بے کُنجِ لحد اب میں کہیں رہ نہیں سکتا

جائے گا اُسی سمت یہ مظلوم مسافر — منزل جو ازل سے ہے معیّن مرے خاطر
بستی ہو کہ جنگل وہی حافظ وہی ناصر — آتا ہے محرّم یہ مہینہ بھی ہے آخر
کھل جائے گا ہونا ہے جو کچھ سبطِ نبی پر
قصہ مرا مخفی نہیں رہنے کا کسی پر

ہر چند کہ لوں چلتی ہے اُٹھتے ہیں بگولے　　اشجارِ خزاں دیدہ بھی اب تک نہیں پھولے
پڑ جاتا ہے چھالا کوئی آہن کو جو چھو لے　　تم لوگوں کی ایسی نہیں الفت کہ جو بھولے

موت آئی تو بر میں کسی صحرا کے رہیں گے
جیتے جو پھرے ہم تو یہیں آ کے رہیں گے

ان سب سے یہ فرما کے چلے سیّدِ ابرار　　روتے ہوئے بستی میں گئے اپنے وہ دیندار
پھر تھے وہی جنگل وہی صحرا وہی کہسار　　بستی تھی نہ کوسوں نہ کہیں سایۂ اشجار

گرمی تھی کہ تھے نخل بھی سوکھے ہوئے بن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں　　وہ دھوپ کی شدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو چاہیں　　اُٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں

سنولا گئے تھے چاند سے منہ سیبروں کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سروں کے

(۱۲۰) چہروں پہ جوانانِ علیؑ روکے تھے ڈھالیں　　لو دیتی تھیں نیزوں کی چمکتی ہوئی بھالیں
گرمی سے وہ کیونکر نہ زبانوں کو نکالیں　　دھوپ اُن پہ جنھیں سایہ میں سیدانیاں پالیں

اللہ ری تب و تابِ بیابانِ بلا کی
پھولوں کا عرق کھنچتا تھا گرمی سے ہوا کی

مخفی تھے شجر شدتِ گرما سے حجر میں　　جلتی تھی یہ لوں آگ بھڑکتی تھی جگر میں
نے بحر میں راحت تھی کسی دل کو نہ بر میں　　جھیلوں میں نہ پانی تھا نہ پتے تھے شجر میں
پایاب تھے گرمی سے وہ دریا جو بڑے تھے
سوتیں بھی نہ آتی تھیں کنوئیں خشک پڑے تھے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے　　ناری تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسد اللہؑ کے پیارے　　دھڑکا تھا کہ یہ لوں کسی بچےؑ کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرؑ معصوم کو غش سے
اودے تھے لبِ لعل سکینہؑ کے عطش سے

بھرتا تھا دمِ سرد پریشاں کوئی ہو کے　　دامن سے ہوا دیتا تھا منہ کو کوئی دھو کے
بچتا تھا کوئی لوں سے ردا چہرے پہ رو کے　　رکھ لیتا تھا سر پہ کوئی رومال بھگو کے
پڑتی تھیں جو چھینٹیں تو فزا دیتا تھا پانی
جھک کر کوئی چلو ہی سے پی لیتا تھا پانی

غربت کی جفائیں یونہیں سہتے ہوئے دن رات　　طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات
ہو جاتی تھی جس مردِ مسافر سے ملاقات　　گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات
ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی
کوفے کی خبر ہے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

۱۲۵ وہ کہتا تھا کوفے میں عجب غدر ہے مولا | ہر سمت ہیں قضیے تو فساد اُٹھتے ہیں ہر جا
دَور اُنکا ہے کچھ جنکو مروّت نہیں اصلا | ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سُنتا
بے جُرم ستاتے ہیں محبانِ علیؑ کو
غُل ہے کہ چھپا لے نہ کوئی گھر میں کسی کو

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر | ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے کہ کس پر
باغات میں کوفے کے پڑے ہیں کئی لشکر | ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر
تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
رُخ ایک رسالے کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

جوں جوں یہ بیاں کرتا تھا وہ مردِ مسافر | خاموش کھڑے سُنتے تھے سب یاور و ناصر
مُنہ بھائی کا تکتے تھے شہ صابر و شاکر | وہ عرض یہ کرتے تھے کہ سب حال ہے ظاہر
کچھ شبہ نہ ہے اسمیں نہ تشکیک ہے مولا
جو کہتا ہے رہرو وہ خبر ٹھیک ہے مولا

بھر کر نفسِ سرد بڑھے شاہِ فلک جاہ | جلتا تھا جگر قلب پہ تھا صدمۂ جانکاہ
مشہور یہ ہے عمر سفر ہوتی ہے کوتاہ | پر کٹتی تھی حضرت پہ عجب رنج سے وہ راہ
منزل پہ بھی کچھ نوش نہ فرماتے تھے شبیرؑ
تشویش تھی ایسی کہ گھلے جاتے تھے شبیرؑ

دم بھر کہیں دم لے لیا جب دوپہر آئی ۔ بدتر ہی ہوئے پھر دھوپ جو ڈھلنے پر آئی
لیکن کہیں راحت کی نہ صورت نظر آئی ۔ جب آئی خبر راہ میں دہشت اثر آئی
مشتاق تھے جس کے خبر آئی کہ مُوا وہ
جس دوست کو پوچھا یہ سُنا قتل ہوا وہ

جنگل کی مصیبت وہ سواری کی تکانیں ۔ آ پہنچی تھیں ہونٹوں پہ نبی زادوں کی جانیں
سونلائے ہوئے دھوپ میں مُنہ خشک زبانیں ۔ اللہ کے جو نور ہیں یوں خاک وہ چھانیں
ہاں کون سی ایذا ہے جو در پے نہیں ہوتی
بے خارِ الم راہِ خدا طے نہیں ہوتی

جب منزلِ حاجز سے بڑھے سبطِ پیمبرؐ ۔ آئی یہ مفصّل خبر مسلمؑ بے پر
دُنیا سے گیا آٹھویں تاریخ وہ صفدر ۔ فرزند مصیبت میں ہوئے ظلم سے بے سر
ماتم ہے کئی دن سے مسلمانوں کے گھر میں
خندق میں تو لاش اُسکی ہے سر قلعہ کے در میں

رنگ اُڑ گیا رخسار روشن سے تھرّانے لگے شاہ ۔ اشک آنکھوں سے برسا کے کہا یرحمہ اللہ
آفت کا سفر اور یہ ماتم کی خبر آہ ۔ برپا ہوئے خیمے میں اُتر کے شہ ذیجاہ
لشکر پہ اُداسی تھی غریب الغربا کے
سب روتے تھے رونے پہ امام دو سرا کے

فرماتے تھے شبیرؑ مسافر مرا بھائی
مقتول جفا صابر و شاکر مرا بھائی
ہے ہے مرا یاور مرا ناصر مرا بھائی
الفت میں مری مر گیا آخر مرا بھائی
جب سے گئے آرام بلا شک نہیں پایا
قربان برادر کفن اب تک نہیں پایا

اللہ ری مسلمؑ کے جگر بندوں کی زاری
ہوش آیا کبھی بار غش آیا کبھی باری
چلاتے تھے ہے ہے اجل آئی نہ ہماری
کوفے سے گئی خلد کو بابا کی سواری
بھڑکی ہے وہ آتش جو جلاتی ہے جگر کو
دو بھائیوں کو روئیں کہ مظلوم پدر کو

اُس قافلہ میں رونے کا اک شور ہوا جب
گھبرا گئے ناموسِ رسولِ عربی سب
غُل پڑ گیا ہر دو بیبیوں کی خیر ہو یارب
دوڑی گئی سر کھولے درِ خیمہ پہ زینبؑ
چلاتی تھی کیوں حشر یہ برپا ہوا لوگو
کس کی خبر آئی ہے ارے کیا ہوا لوگو

صغراؑ کو یہ کہتی تھی بانوؑئے دل افگار
میرا تو جگر منہ کو چلا آتا ہے ہر بار
اے بیبیو صغراؑ کو میں چھوڑ آئی ہوں بیمار
یہ کیا ہے جو روتے ہیں تڑپ کر شہِ ابرار
ہر دل پہ جو اک غم کی گھٹا چھائی ہے لوگو
کیا کچھ مری بچی کی خبر آئی ہے لوگو

زینبؑ کے قریں زوجۂ مسلمؑ تھی کھُلے سر — کہتی تھی غضب ہو گیا اے شاہ کی خواہر
چلتی ہے چھُری آٹھویں تاریخ سے مجھ پر — میں رانڈ ہوئی لُٹ گیا کوفے میں مرا گھر
دو بچوں کے دُنیا سے گزرنے کی خبر ہے
یہ ایلچیٔ شاہ کے مرنے کی خبر ہے

یہ غُل تھا کہ حضرت نے کہا خیمے میں آ کر — اے بیبیو بیٹھو صفِ ماتم کو بچھا کر
مسلمؑ سوئے فردوس گئے برچھیاں کھا کر — مارا ستم ایجادوں نے تنہا اُنھیں پا کر
کوفے میں سرِ پاک اُتارا گیا تن سے
روزِ عرفہ کوچ کیا دارِ محن سے

جس وقت یہ خیمہ میں غضب کی خبر آئی — ناموسِ محمدؐ میں قیامت نظر آئی
خود سر سے کسی رانڈ کے چادر اُتر آئی — واں کوئی گری پیٹتی کوئی ادھر آئی
کیا درد کی باتیں تھیں غریبوں کی زباں پر
سب پیٹتے تھے دخترِ مسلمؑ کے بیاں پر

وہ بین نبیؐ زادیوں کے اور وہ ماتم — مقتول کی بیوہ کو غش آ جاتا تھا ہر دم ۲۰
پردیس میں وہ تازہ مصیبت وہ نیا غم — ماتم میں رہے تین دن اُس جا شہِ عالم
فرصت نہ ملی نالہ و فریاد و فغاں سے
بھائی کا سوم کر کے روانہ ہوئے واں سے

روانگی امام حسینؑ

مسلمؑ کی خبر سے یہ ہوا خوف دلوں پر　　چھپ چھپ کے اسی شب کو روانہ ہوئے اکثر
یا تھے کہیں خیمے کہیں بالیں کہیں بستر　　یا تین پہر رات میں خالی ہوا لشکر
تا شام تو سب یاورِ سلطانِ زمن تھے
ظاہر جو ہوئی صبح تو ہفتاد و دو تن تھے

اُکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالم　　خدّام سے ارشاد کیا آپ نے اُس دم
بچّوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم　　اس منزلِ پُرہول میں پانی ہے بہت کم
شربے ہیں جو سیراب انھیں اونٹوں پہ دھر لو
جو مشکیں پکھالیں ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

یہ سن کے ہر اک ظرف میں سقوں نے بھرا آب　　راہی ہوا اُس بن سے نبی کا گلِ شاداب
گرمی بھی یہ اُس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب　　تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہانتاب
لو چل رہی تھی رنگ بھی سونلائے ہوئے تھے
جنگل میں گلِ فاطمہؑ کمھلائے ہوئے تھے

ملاقاتِ حُر

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر　　جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
اُس شخص سے فرمانے لگے حضرتِ شبیرؑ　　بتلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
کی عرض قریب آ کے شہِ عرش نشیں کے
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفہ کی زمیں کے

اوروں نے یہ کی عرض کہ اے دخترِ زہراؑ — خرمے کے یہاں نخل تو دیکھے نہیں اصلا (۵۱)

عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا — کی عرض شہِ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا

کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہیں

نوکیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوشِ فرس ہیں

شبیرؑ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی — یہ فوج ہمارے لیے کوفے سے ہے آئی

ماتم میں کبھی رونے سے راحت نہیں پائی — کیا دور ہے گر ہو یہی جنگل میں لڑائی

سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا

خیمہ کہیں برپا کرو ناموسِ نبیؐ کا

یہ کہہ کے بڑھے دہنی طرف سبطِ پیمبرؐ — برپا کیا نزدیکِ جبل خیمۂ اطہر

پہنچے تھے حرم خیموں میں ناقوں سے اتر کر — جو آ گیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر

سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے

سب اکہزار ان میں زرہ پوش جواں تھے

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفاکار — عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار

برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہِ ابرار — آئینِ ادب سے تمہیں بہرہ نہیں زنہار

کچھ عرض جو کرنی ہو تو کر لیجو ٹھہر کر

سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اتر کر

بیخوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے
کیا ہو جو ادھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے
پیغام ہو کچھ یا ہو عریضہ کوئی لائے
تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے
گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا
ہتھیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

(۱۵۰) نہ عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام
ٹھہرو وہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجام
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا سپہ شام
گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں تول کے صمصام
جنگل میں وہ اترا ہے جو مختارِ زمیں ہے
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے

جنگل میں جو گونجا اسدِ بیشۂ حیدرؑ
دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے خودسر
کس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر
پوچھو تو ذرا کون ہے سرکردۂ لشکر
آتے ہیں ملاقات کو یا قصدِ وغا ہے
مجھ پر بھی تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے

یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام[1]
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
خود جوڑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
سردار ہوں اس فوج کا میں حُر ہے مرا نام
دعوائے غلامی ہے مجھے آلِ نبیؐ سے
اب عفو ہو محجوب ہوں اس بے ادبی سے

[1] ضرغام بالکسر شیر درندہ ۱۲

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ ــ نے واں سے واقف نہ ہے آداب سے آگاہ
بس غیظ نہ فرمائیے بہرِ شہِ ذیجاہ ــ اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
ہے عفو و ترحّم کا رواج آپ کے گھر سے
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے

جب حُر نے بصد عجز یہ تقریر سُنائی ــ شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
جسوقت اجازت حُرِ دیندار نے پائی ــ خود بھی بہ ادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو
مُجرا کیا صف باندھ کے سلطانِ اُمم کو

منھ دیکھ کے فرمانے لگے شاہِ خوش اقبال ــ کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
تب عرض یہ کی حُر نے کہ اے فاطمہؑ کے لال ــ بیتاب ہیں سب ماہیِ بے آب کی تمثال
آہوں کا دھواں اُٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے

یہ سُنتے ہی بیتاب ہوئے سبطِ پیمبرؐ ــ دیکھا رخِ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر ــ جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر
بھیّا مگر اب کھو لیو پیاس انکی بجھا کے
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ منہ سے ہیں خفا کے

عباسؑ نے کی عرض کہ اے کُل کے مددگار	کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں ت
پر مصلحتاً عرض یہ کرتا ہے نمک خوار	اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ا
مولا کبھی فرح ابھی جانا ہے یہاں سے
مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئیگا کہاں سے

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب	میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں
انسان کا انسان سے روا ہوتا ہے مطلب	مرجائیں مسلمان یہ گوارا ہے مجھے کب
میں مالکِ کوثر ہوں تردد تمھیں کیا ہے
پیاس انکی بجھا دو مرے بچوں کا خدا ہے

یہ سُنتے ہی دوڑے خدمِ والا کے ہوا خواہ	مجمع ہوا سرکار کے سقوں کا
اک جام بھرے دستِ مبارک میں شہؑ جاہ	جلد آئے کٹھالیں لئے عباسؑ فلک
کی جبکہ نظر لطف بشر جن و بشر پر
خود رکھ لیا مشکیزہ بہشتی نے کمر پر

۱۶۰ پیاسا نہ رہا جب کوئی اگر کچھ پی نہ ہوا	تب حُر سے یہ فرمانے لگے سیدِ ا
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کر اظہار	کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے میرے
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے پہ جو آیا ہو تو کہہ دے

تب حُر نے یہ کی عرض کہ اے خاصۂ داور   بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہکر
رستے میں جہاں تم کو ملیں سبطِ پیمبرؐ   تو ساتھ سے اُنکے نہ جدا ہو جیو دم بھر

یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اسمیں ہے منظور   کی عرض کہ حاکم کے میں ہوں حکم سے مجبور
بس سُرخ ہوا غیظ سے شہ کا رخِ پر نور   فرمایا کہ روکے مجھے یہ کس کا ہے مقدور

کیا ہوتا ہے دم بھر میں ذرا ٹوک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

خط بھیج کے منت سے سماجت سے بلانا   جب آئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا   تلوار جو پکڑوں تو اُلٹ جائے زمانا

رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں مختار   کیا سمجھا ہے قیدی مجھے وہ ظالمِ غدار
جبتک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار   دبنے کا نہیں لختِ دلِ حیدرِ کرار

بیکس ہوں مسافر ہوں پریشان و حزیں ہوں
کچھ حاکمِ کوفہ کا گنہگار نہیں ہوں

۱۱۵ چپکے سے بن قین نے کی عرض یہ اُسدم
بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑلیویں ابھی ہم
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم
پھر آئیں گی فوجیں اِدھر اے قبلۂ عالم
یہ در پئے آزار ہیں راحت تو نہ دیجے
پانی تو دیا اب انھیں مہلت تو نہ دیجے

دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا ہا
ہم حجت حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
تھوڑوں کو اگر قتل کیا ہمنے تو پھر کیا
جب آئیں گی فوجیں تو سمجھ لیویں گے اچھا
بولیں گے نہ کچھ تن پہ اگر تیر پڑیں گے
ایسا ہی ستائے گی جو اُمت تو لڑیں گے

فرماکے یہ اس دشت میں ٹھہرے شہ صفدر
اک تیر کے پلّے سے حُرُ اُترا مع لشکر
شب نصف گئی پر اُسے نیند آئی نہ دم بھر
سب سو رہے جسدم تو اُٹھا حُرِ دلاور
بھرتا ہوا دم عشق امام ازلی کے
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابن علیؑ کے

سوتے تھے ادھر بھی شہ مظلوم کے انصار
پر جاگتے تھے حضرت عباسؑ خوش اطوار
پھرتے تھے کبھی گرد خیام شہ ابرار
ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اُس عاشق رب کو
جسطرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

نعرہ کیا ابنِ اسد اللہؓ نے بڑھ کر — کون آتا ہے بتلا نہیں موت آئی ہے سر پر
خُر آکے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاوَر — کی عرض کہ میں حُر ہوں غلامِ شہِ صفدر
کر دیجیے خبر ابنِ شہنشاہِ عرب کو
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو

فرمایا کہ آنے کا ہے یہ کون سا ہنگام — آرام میں ہے فاطمہ زہراؑ کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ خوش انجام — لے دیجیے جا کر درِ دولت پہ مرا نام
قسمت میں اگر ہے تو شرف پائے گا خادم
حضرت نہ بلائیں گے چلا جائے گا خادم

عباسؑ اُسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے — خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حُر آتا ہے اے حیدرِؑ کرار کے جائے — ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آتا ہے بلا لو
گمراہ تھا اب راہ پر آتا ہے بلا لو

خود آکے اُسے لے گئے عباسِؑ دلاور — مجرا کیا حُر نے سرِ تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدمِ سبطِ پیمبرؐ — کی عرض کہ بیتاب ہوں اے فاطمہ زادو
فوجیں لیے نا ماریہ شمر و عمر آئے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

ہوتی ہے مہینوں سے وہاں قتل کی تدبیر — تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر — شہروں سے ہے فوجوں کی طلب باشتہ دگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

اُترے ہیں پہاڑ وہیں قشونِ عرب و روم — ہے چار طرف قتل بنی فاطمہؑ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم — سرکردۂ افواجِ ستم ہے عمرِ شوم
ایسا نہ ہو جلادوں میں گھر جائے مولا
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

۱۷۵ سب سوتا ہے لشکر بھی مرا یا شہِ ابرار — بہتر ہے اسیوقت اگر ہو جیے اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حُرِّ وفادار — جو ہوئے سو ہو اب تو ہوں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے
مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا — مرنا ہے جو غربت میں تو کیا زور ہمارا
کی عرض یہ حُر نے کہ بجا ہے یہ اشارا — مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غمخوار ہی کم ہیں
میں اس لیے کہتا ہوں کہ ساتھ اہلِ حرم ہیں

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؑ
اے دوست یہی رائے تری ہے تو ہے بہتر
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہو گی مقرر
دیکھیں یہ شبِ تار بسر ہوتی ہے کیونکر
کسکو خبر اسکی ہے کہاں قبر بنے گی
پر ہو گی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

روتا ہوا رخصت ہوا شہ سے حُرِ دیندار
راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہ ابرار
وہ دشت پر آشوب کی وحشت وہ شبِ تار
بھیڑ کہیں بن ہیں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

حیران و پریشاں تھا وہ سب لشکرِ شاہی
اسوار و نہ آفت تھی تو پیادو نہ سپاہی
ملتی تھی نہ بستی نظر آتا تھا نہ راہی
گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہِ ذیجاہ پہ یوں راہ میں گذریں
جسطرح کہ یوسف پہ شبیں چاہ میں گذریں

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے
جسطرح کریں سیر شبِ تار میں تارے
ماندے ہوئے رہوار بھی سب اونٹ بھی ہارے
سادات نے وہ ڈیڑھ پہر آفت میں گذارے
گردش میں کٹی رات ولی ابنِ ولی کی
مقتل میں ہوئی صبح حسینؑ ابنِ علیؑ کی

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی اکبار　　اس دشت میں لیکن نہ بڑھا ایک بھی رہوار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ علمدار　　یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اُڑتے اسے دیکھا ہے یہ جمتے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اُس ہاتھ میں کوڑا　　غیرت سے عرق آگیا تھرا گیا گھوڑا
منھ شہ کی طرف اسپِ وفادار نے موڑا　　کی عرض کہ خود میں نے یہ رستہ نہیں چھوڑا
مانا ہے صدا حکم شہنشاہِ اُمم کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

یہ سنتے ہی رہوار سے اُترے شہِ ابرار　　فرمایا کہ خیمیں کھولو اونٹوں کے ہیں بار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرار　　عباسؓ سے فرمایا کہ اُترو مرے غمخوار
ہوئے گا مقام اب یہیں زہراؑ کے پسر کا
لو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

کربلا میں تشریف آوری

جب طے کیا شہ نے سفرِ راہِ خدا کو
منزل پہ قضا لائی غریب الغربا کو
اک عید ہوئی عاشقِ ربِ دوسرا کو
بس روک لو باگیں یہ پکارے رفقا کو
گردوں سے فزوں اوج ہے اس پاک زمیں کا
یاں سے چمن آتا ہے نظر خلد بریں کا

اے قافلہ والو یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے
خیمے کرو برپا یہ اُترنے کی جگہ ہے
دینداروں کے یہ سر سے گذرنے کی جگہ ہے
ہمت جو خدا دے تو یہ مرنے کی جگہ ہے
ایسی نہ زمیں پھر نہ افلاک سے ملے گی
یہ خاک وہ ہے جسمیں مری خاک ملے گی

اُترے فرس خاص سے سبطِ شہِ لولاک
تھرا کے زمیں زرد ہوئی اُڑنے لگی خاک
آلودہ ہوا گرد سے حضرت کا رُخِ پاک
رومال سے خُدام لگے جھاڑنے پوشاک
غم چھا گیا نوبت نہ خوشی ہونے کی آئی
جنگل سے صدا فاطمہؑ کے رونے کی آئی

جھونکوں سے ہوا کے جو اڑے پردۂ محمل — سینوں میں اچھلنے لگے سیدانیوں کے دل
زینبؑ نے کہا کیا متوحش ہے یہ منزل — آفات سے محفوظ رکھے خالقِ عادل
کچھ بادِ مخالف سے نہیں زور کسی کا
طوفاں میں نہ آجائے جہازِ آلِ نبیؐ کا

اونٹوں سے نہ اترا تھا ابھی خیمہ و خرگاہ — صحرا سے ٹہلتے ہوئے دریا پہ گئے شاہ
تھے سارے عزیز و رفقا آپکے ہمراہ — گرد اختر تابندہ تھے اور بیچ میں وہ ماہ
صحرا پہ کبھی گاہ ترائی پہ نظر تھی
بیٹے پہ کبھی اور کبھی بھائی پہ نظر تھی

اکبرؑ تو یہ کہتے تھے کہ صحرا پہ ہے عالم — اچھی تو اسی سمت نظر پڑتی ہے ہر دم
فرماتے تھے عباسؑ ترائی بھی نہیں کم — خیمہ کہیں ہو آن کے سوئیں گے یہیں ہم
گرمی کے ہیں دن سرد ہوا بھاتی ہے اکثر
شیروں کو ترائی ہی میں نیند آتی ہے اکثر

۱۹۰ ہوتی تھی چچا اور بھتیجے میں یہ تقریر — منھ دیکھتے تھے دونوں کا اور روتے تھے شبیر
رنگِ رخِ عباس علیؑ ہو گیا تغئیر — پوچھا سبب گریہ تو بولے شہِ دلگیر
دریا جو مرے سامنے لہراتا ہے بھائی
دل خود بخود اس وقت بھر آتا ہے بھائی

جاتے تھے لڑائی پہ جو صفین کے صفدر
ہے خوب مجھے یاد یہیں اترا تھا لشکر

مغموم تھے اُس روز بہت فاتح خیبر
جبتک رہے آنسو نہ تھما آنکھ سے دم بھر

کھایا تھا نہ کھانا نہ ذرا سوئے تھے بابا
تا دیر کھڑے ہو کے یہیں روئے تھے بابا

تب میں نے یہ کی عرض کہ اے سرورِ ذیشاں
کیا وجہ ہے بیتابی کی کیوں آپ ہیں گریاں

لپٹا کے مجھے چھاتی سے بولے شہِ مرداں
اے احمدِ مرسل کے پسر میں ترے قرباں

اکدن تو مرے بعد یہاں آئیگا شبیرؑ
عقدہ مرے اس رونے کا کھل جائیگا شبیرؑ

سب چھوٹے بڑے رو لیے گئے سن کے یہ گفتار
ہمشکل پیمبر نے کہا یا شہِ ابرار

خیمہ ہو کہاں اُترے کجا دوں سے کہاں یار
فرمانے لگا مصلحتاً شہ کا علمدار

کمسن کئی معصوم ہیں اور گرم ہوا ہے
برپا ہو لبِ نہر جو خیمہ تو بجا ہے

حضرت نے کہا یاں بھی خدا واں بھی خدا ہے
صحرا کو بھی دریا کو بھی اک روز فنا ہے

ہرچند کہ تدبیر حفاظت کی بجا ہے
پھر ہوگا وہی جو کہ مقدر میں لکھا ہے

دریا پہ اُترنے کا سر انجام نہ کیجیے
جس بات میں تکرار ہو وہ کام نہ کیجیے

فرما کے یہ حضرت اُسی صحرا میں پھر آئے   فرّاشوں نے جھاڑی وہ زمیں اونٹ بٹھائے (۱۹۷)
خیمے کیے استادہ سراچے بھی لگائے   اور ڈیوڑھی پہ ناموس کے جمّازوں کو لائے
پاس آکے گھٹاٹوپ کو گھرواتے تھے عباسؑ
ہر بی بی کو محمل سے اُترواتے تھے عباسؑ

جمّازۂ زینبؑ جو قریں ڈیوڑھی کے پہنچا   کرسی سے اُٹھے آپ شہِ یثرب و بطحا
گرد آکے کیا قاسمؑ و عباسؑ نے پردا   محمل سے اُترنے جو لگی دخترِ زہراؑ
اک ہاتھ علی اکبرؑ ذی جاہ نے تھاما
اک ہاتھ جگر بندِ ید اللہ نے تھاما

چھاتی سے سکینہؑ کو لگائے ہوئے اُتریں   شہزادی کو چادر میں چھپائے ہوئے اُتریں
آنسو رخِ انور سے بہائے ہوئے اُتریں   پردا تھا مگر سر کو جھکائے ہوئے اُتریں
آگاہ نہ تھیں اس ستمِ چرخِ کہن سے
کھل جائے گا سر ہاتھ بندھے ہوں گے رسن سے

داخل ہوئی خیمے میں جو بیں دخترِ حیدرؑ   پیچھے گئیں ناقوں سے کنیزیں بھی اُتر کر
جب کھل گیا پردہ تو اُترنے لگا لشکر   بالیں بھی کھڑی ہو گئیں اور لگ گئے بستر
کمروں کو پیادوں نے اور اسواروں نے کھولا
دوکانوں کو لشکر کے دوکانداروں نے کھولا

گذرا جو وہ دن عالمِ غربت کی ہوئی شام　　اکبار اذاں دینے لگے اکبرؑ گلفام
مصروف عبادت میں ہوئے شاہ خوش انجام　　طاعت کے لیے جمع ہوا لشکرِ اسلام
جوں دانۂ تسبیح برابر وہ جواں تھے
صف پیچھے تھی اور آگے امامِ دوجہاں تھے

(۱۰) فارغ جو فریضے سے ہوئے سیدِ ذیجاہ　　سجادۂ طاعت سے اُٹھے خیمہ کی لی راہ
پہنچے جو سراپردۂ عصمت کے قریں شاہ　　رخصت ہوئے آداب بجا لا کے ہوا خواہ
داخل ہوئے حضرت حرمِ شاہِ نجف میں
اخترِ تو رہے ماہ گیا برجِ شرف میں

مسند کو شہِ دیں نے منور کیا جا کر　　لینے لگی بھائی کی بلائیں بہن آ کر
جا بیٹھی سکینہؑ بھی قدم جلد بڑھا کر　　کہنے لگی منہ شاہ کی چھاتی سے لگا کر
کس کس سے بلانے کے لیے میں نے کہا تھا
بابا تمھیں کب سے مرا دل ڈھونڈھ رہا تھا

زینبؑ نے کہا شاہ سے با گریہ و زاری　　یہ کونسا صحرا ہے بہن ہو گئی واری
منہ ڈھانپ کے میں رو چکی ہوں یاں کئی باری　　گھبراتی تھی ڈر ڈر کے سکینہؑ مری پیاری
بانوؑ کو بھی تشویش نے یاں گھیر لیا ہے
کچھ دودھ سے اصغرؑ نے بھی منہ پھیر لیا ہے

زینبؓ سے کہا شاہ نے جو خواہش تقدیر کچھ حکم سے اللہ کے باہر نہیں شبیرؑ
اس دشت کا کیا حال سناؤں تمھیں ہمشیر کونین میں اس ارض مقدس کی ہے توقیر
گردوں سے ملائک کے اترنے کی یہ جا ہے
تم کو نہیں معلوم یہی کرب و بلا ہے

یہ سن کے اڑا رنگ رخِ زینبؑ مضطر منھ پیٹ لیا چوب سے ٹکرانے لگی سر
حضرت نے کہا خیر ہے کیسا کرتی ہو خواہر وہ بولی میں بے آس ہوئی ہائے مقدر
طفلی سے مجھے یاں کی مصیبت کی خبر ہے
اب مجھ پہ کھلا یہ وہی آفت کا سفر ہے

اس دشت میں تم مجھ سے بچھڑ جاؤ گے بھائی گر خاک بھی چھانوں تو نہ ہاتھ آؤ گے بھائی
بھینا کو مدینے میں نہ پہنچاؤ گے بھائی میں دیکھونگی اور برچھیاں تم کھاؤ گے بھائی
اولاد سے بانو کی یہ چھٹنے کی جگہ ہے
ناموس نبیؐ کی یہی لٹنے کی جگہ ہے

زینبؓ سے جو یہ ذکر سنا رونے لگے شاہ ناموس محمد پہ ہوا صدمۂ جانکاہ
باجوں کی صدا دشت سے آنے لگی ناگاہ پہنچا یہ خبردار کو حکم شہِ ذیجاہ
یاں جلد خبر لا کہ یہ لشکر کدھر آیا
اس سمت نشانوں کے ہیں رخ یا ادھر آیا

مانند نظر دوڑ گیا پیک صبا دم
پھر آیا وہ اور کہہ کے یہ مجرے کو ہوا خم
قائم رہے اقبال شہنشاہِ دو عالم
کوفے کی ہوئی فوج لب نہر فراہم

سب چار ہزار اُمیں زرہ پوش جواں ہیں
پیچھے تو صفیں فوج کی ہیں آگے نشاں ہیں

شہ نے کہا سر کردہ لشکر کا ہے کیا نام
کی عرض یہ اُس نے عمر سعد بد انجام
سنکر یہ خبر بولے شہنشاہِ ذوالاکرام
صد شکر کہ آ پہنچا ہمیں موت کا پیغام

دشمن کو اگر رَے کی حکومت کی خوشی ہے
موجود ہیں ہمکو بھی شہادت کی خوشی ہے

اکبرؑ نے کہا ہوتا تھا کیا فوج میں چرچا
تھرّا گیا اور سر کو وہ نہوڑا کے یہ بولا
شہزادہ کونیں جو کچھ آپ نے پوچھا
ہو وے یہ زباں قطع اُسے عرض کروں کیا

کہتا تھا یہ لشکر عمر سعد شقی کا
سر لینے کو آئے ہیں حسین ابن علیؑ کا

(۲۰) عباسؑ لگے کانپنے ہونٹوں کو چبا کر
کی تیغ کے قبضہ پہ نظر غیظ میں آکر
فرمایا کہ دیکھوں تو میں اس فوج میں جا کر
روکا شہ مظلوم نے چھاتی سے لگا کر

سوچے کہ نہ آداب میں شہ کے خلل آئے
غصّے سے یہ تھرائے کہ آنسو نکل آئے

اتنے میں صدا دور سے نقاروں کی آئی آواز جفاکاروں کے رہواروں کی آئی
شہ بولے کہ پھر فوج ستمگاروں کی آئی پھر ساتھ ہی جوڑی بھی خبرداروں کی آئی

کی عرض وہ لشکر کہ سیہ جسکے علم ہیں
اک شمر ہے اور چار ہزار اہل ستم ہیں

اس فکر میں سوئے نور اسبط پیمبر صحرا میں رہی تا بسحر آمد لشکر
دن کو بھی خبریں چلی آتی تھیں برابر شیث آیا ہے اب ساتھ لیے فوج ستمگر

خود آگے ہے اور پیچھے کما نداروں کی صف ہے
ایک ایک کا رخ فوج حسینی کی طرف ہے

یہ سنتے تھے جو دوسرا آکر یہ پکارا آپہنچا یزید ابن رکاب ستم آرا
عمان شقاوت نے ہے اک جوش سا مارا گھوڑوں سے رکا جاتا ہے دریا کا کنارا

پانی بھی کوئی نہر سے پاتا نہیں اب تو
جز تیغ و سناں کچھ نظر آتا نہیں اب تو

آئے دہل فتح بجاتے ہوئے باہم حجاج و سنان ابن انس خولی و شمر
تھے چار ہزار اہل ستم اور بھی اظلم انبوہ ہوا تا ششم ماہ محرم

امڈی ہوئی بادل کی طرح فوج گراں تھی
مقتل کی زمیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے نہاں تھی

اُس فوجِ سقر موج کی تعداد ہے دشوار — لکھتا ہے کوئی بیس ہزار آئے تھے غدار (۱۵)
اور اس سے فزوں تر بھی ہے کچھ وارِدِ اخبار — اکثر کا یہ ہے یہ قول کہ تھے لاکھ ستمگار
لکھتے ہیں یہ بعضے کہ چھ لاکھ اہلِ جفا تھے
کیا بیکس و مظلوم امامِ دوسرا تھے

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام — تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہِ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام — اور تھا شبِ ہشتم سے لڑائی کا سرانجام
پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرتؑ پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

گرمی کے وہ دن اور وہ بچوں کا بلکنا — وہ تابشِ خورشید وہ ذروں کا چمکنا
پیاسوں کا وہ دریا کی طرف نایس سے تکنا — باقرؑ کی وہ فریاد وہ اصغرؑ کا سسکنا
خیمے میں سکینہؑ کو جو غش بلتے تھے شبیرؑ
روتے ہوئے گھبرا کے نکل آتے تھے شبیرؑ

تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل — ہر سمت سے فوجوں کے اُمنڈ آئے تھے بادل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل — دریا بھی غریبوں کی ہوا آنکھوں سے اوجھل
واں شام سے افواجِ ستم صبح تک آئی
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے یہاں یہ کمک آئی

تھے مستعدِ جنگ اُسی روز ستمگر روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلا
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائے گا بے
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموسِ رسولِ عربیؐ ہے

(۲۲۰) خیمے میں گئے حضرت عباسؑ دلاور حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برا
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمے پہ ستمگر قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
خاموش ہیں سب حکم امامِ دو جہاں سے
ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے منھ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تو
سینے میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں بو
نامرد و شقی صاحبِ شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

سبط نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضہ پہ دھ
اک دم میں یہ میدان ستم لاشوں سے بھرتا ہاتھ اُنکے نہ بڑھتے نہ قدم اُن کا ٹھہر
تنگ آ اُن کے آخر یہ پیاسا بھی لڑے گا
اُن لوگوں پہ کھل جائیگا جب کھیت پڑے گا

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر　　اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھاؤ برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر　　وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلاؤ برادر
کہنا کہ چلو اشکوں سے منھ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم خیمے سے کیون تجھے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

فوجِ ستم آرا کو یہ دیجیو مرا پیغام　　لڑکوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے تمہیں کام
غربت مین گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام　　اچھا نہیں بیکس کا ستانا سحر و شام
ہیہات حمیت ہوئی کیا قوم عرب کی
مہمان ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

یہ سُن کے گیا شمر قریب صفِ کفار　　فرمایا کہ اے قومِ جفا کار و ستمگار ۵۱
واجب ہے ادب جنگ مین بہتر نہیں اصرار　　شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلبگار
ہم جنگ کو موجود ہین جلدی تمھین کیا ہے
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظورِ خدا ہے

لشکر سے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار　　کہدو کہ نہیں ملنے کی مہلت تمھیں زنہار
جھنجھلا کے یہ بولے کئی اُس فوج کے سردار　　دیتے ہیں جو کافر بھی ہو مہلت کا طلبگار
کچھ شرم نہیں تجکو یہ کیا بے ادبی ہے
شبیرؑ تو فرزند رسولؐ عربی ہے

دیکھا جو شقی نے کہ ہیں بگڑے ہوئے سردار — عباسؑ دلاور سے لگا کہنے جفاکار
دی رات کی مہلت جو ہیں مہلت کے طلبگار — خیر آج کریں اور عبادت شہِ ابرار
پھر عذر کوئی پیش نہ جائے گا سحر کو
کل سب کے گلے کاٹ کے کھولیں گے کمر کو

عباسؑ دلاور نے کہا ہو کے غضبناک — تو کاٹے گا شیروں کے گلے او سگِ ناپاک
آگے مرے یہ بے ادبی منھ میں ترے خاک — بیکس ہوا ایسا پسرِ سیدِ لولاکؐ
کیوں رکھ دوں لبِ نحس پہ انگشت سناں کو
دکھلا دوں ذرا چھید کے نیزے سے زباں کو

بھاگا وہ پھرے ہونٹھ چباتے ہوئے عباسؑ — خیمے مین گئے ساتھ لیے سب کو بصد یاس
کی عرض یہ جا کر پسرِ فاطمہؑ کے پاس — طے ہو گیا وہ امر کبھی جس کی نہ تھی آس
مہلت بھی ملی رخ بھی پھرا اہلِ جفا کا
رو کر شہِ والا نے کہا شکر خدا کا

شبِ شہادت

جب زلف کو کھولے ہوئے کیلا شب آئی
پردیس میں سادات پہ آفت عجب آئی
فریاد کناں روح امیرِ عرب آئی
غل تھا کہ شبِ قتل شہِ تشنہ لب آئی
سادات کو کیا کیا غمِ جانکاہ دکھائے
رات ایسی مصیبت کی نہ اللہ دکھائے

کاغذ پہ لکھے کیا قلم اُس شب کی سیاہی
تھی چار طرف جسکی سیاہی سے تباہی
مرغانِ ہوا بریں طپاں بحر میں ماہی
تربت سے نکل آئے تھے محبوبِ الٰہی
فریاد کا تھا شور رسولانِ سلف میں
یثرب میں تزلزل تھا اُداسی تھی نجف میں

صدمے سے ہوا رنگ رخِ ماہ جو کافور
اختر بھی بنے مردمکِ دیدۂ بے نور
غم چھا گیا راحت دلِ عالم سے ہوئی دور
تصویرِ الم بن گئی جنت میں ہر اک حور
کہتے تھے ملک رات نہ ہووے گی اب ایسی
تاروں نے بھی دیکھی نہ تھی تاریک شب ایسی

تھا خانۂ غم خیمۂ شاہنشہ والا   آندھی یہ پریشاں تھی کہ دل تھا تہ و بالا
مشعل نہ ٹھہرتی تھی، نہ شمعوں کا اُجالا   خیمہ بھی اندھیرے میں نظر آتا تھا کالا
خاک اُڑتی تھی منھ پر حرمِ شبیرؑ خدا کے
تھا چیں بجبیں فرش بھی جھونکوں سے ہوا کے

جنگل کی ہوا اور درندوں کی صدائیں   تھراتی تھیں بچوں کو چھپائے ہوئے مائیں
دھڑکا تھا کہ دہشت سے نہ جانیں نکل جائیں   روتی تھی کوئی اور کوئی پڑھتی تھی دعائیں
گودوں میں بھی راحت نہ ذرا پاتے تھے بچے
جب بولتے تھے شیر تو ڈر جاتے تھے بچے

بچوں کے بلکنے پہ حرم کرتے تھے زاری   غش ہو گئی تھی بالی سکینہؑ کئی باری ۵۱
چلاتی تھی رو رو کے وہ شبیرؑ کی پیاری   یا حضرت عباسؑ چلی جان ہماری
افسوس کہ پانی کا تو قطرہ نہیں گھر میں
اور آگ لگی ہے مرے ننھے سے جگر میں

تھی سب سے سوا بنت علیؑ مضطر و بیتاب   فق ہو گیا تھا شام سے منھ صورتِ مہتاب
مژگاں سے رخ پاک پہ تھی بارش خونناب   تلوار کلیجے پہ چلے جب تو کہاں تاب
اک کرب تھا بسمل کی طرح جانِ حزیں پہ
اُٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

تھے دوسرے خیمے میں اُدھر سبطِ پیمبرؑ
دربار میں حاضر تھے رفیقانِ دلاور
اک پہلو میں قاسمؑ تھے اور اک پہلو میں اکبرؑ
اکبرؑ کے اُدھر لختِ دلِ زینبؑ مضطر
شبیرؑ محبت سے سخن کرتے تھے سب سے
عباسؑ علی سامنے بیٹھے تھے ادب سے

سرگرم تھے مرجانے پہ سب شاہ کے انصار
عباسؑ سے یہ کہتا تھا وہ کُل کا مددگار
تم رہیو ذرا خیمۂ ناموس سے ہشیار
ڈر ہے نہ کرے بے ادبی لشکرِ کفار
بیدینوں کو راحت مری منظور نہیں ہے
شب خوں جو اُدھر سے ہو تو کچھ دور نہیں ہے

یہ ذکر ابھی تھا کہ یکایک خبر آئی
اے چاند ید اللہ کے شب دوپہر آئی
حضرتؑ کو ستاروں کی جو گردش نظر آئی
دل یادِ خدا کرنے لگا چشم بھر آئی
فرمایا بڑا اجر ہے بیداریِ شب کا
اے تشنہ لبو وقت ہے یہ طاعتِ رب کا

اب عمر بھی آخر ہے نمازیں بھی ہیں آخر
بے توشہ پہنچتا نہیں منزل پہ مسافر
ہر وقت ہے ربِ دوجہاں حاضر و ناظر
اجر اُنکا مضاعف ہے جو ہیں صابر و شاکر
مشکل نہ کسی رنج کو سمجھے نہ بلا کو
بندہ وہی بندہ ہے جو بھولے نہ خدا کو

نام اُسکا رہے وردِ سفر ہو کہ حضر ہو — موجود سمجھ لے اُسے جنگل ہو کہ گھر ہو
سجدے ہی کرے دُکھ میں کہ راحت میں بسر ہو — تسبیح میں شب ہو تو نمازوں میں سحر ہو
عشقِ گلِ تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
معشوق کو تلوار کی دھاروں میں نہ بھولے

چومے لبِ سوفار جو سینے پہ لگے تیر — دم عشق کا بھرتا رہے زیرِ دمِ شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشنِ توقیر — تکبیر کا نعرہ ہو زباں پر دمِ تکبیر
کٹنے میں رگوں کے نہ صدا آہ کی نکلے
ہر رنگ میں بُو الفتِ اللہ کی نکلے

شہ نے سخنِ معرفتِ حق جو سنائے — اشک آنکھوں میں ہر عاشقِ صادق کے بھر آئے
کچھ پیاس کا شکوہ بھی زباں پر نہیں لائے — سجادے وہیں لاکے دلیروں نے بچھائے
تکبیریں ہوئیں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
سب محو ہوئے یادِ جنابِ احدی میں

کرتے تھے مناجات ادھر یاورِ انصار — پڑھتے تھے نمازِ شب اُدھر سیدِ ابرار
تھی نیتِ تسبیحِ بتولِ جگر افگار — آوازِ بکا خیمے سے آنے لگی یکبار
اکبرؑ سے اشارا کیا مڑ کر کہ یہ کیا ہے؟
کی عرض پھوپھی جان کے رونے کی صدا ہے

یوں تو کئی راتوں سے ہیں وہ مضطر و بیتاب   راحت کی نہ صورت ہے نہ آرام کا اسباب (۵)
غش میں جو ذرا بند ہوئے دیدۂ پُر آب   روتی ہوئی چونکی ہیں ابھی دیکھ کے کچھ خواب
نعلین کہیں چادرِ پُر نور کہیں ہے
اُس وقت سے بسمل کی طرح چین نہیں ہے

اُن کا تو یہ احوال ہے اماں کا یہ عالم   اشکوں کی جھڑی آنکھوں سے تھمتی نہیں اک دم
اصغرؑ کی بھی ہے فکر سکینہؑ کا بھی ہے غم   بچہ چھ مہینہ کا ہوا جاتا ہے بے دم
گودی میں اُٹھائیں اُسے یا اسکو سنبھالیں
دو روز کے فاقے میں وہ کس کس کو سنبھالیں

رو کر علی اکبرؑ نے جو کی شہ سے یہ تقریر   پڑھتے ہوئے تسبیح گئے حضرتِ شبیرؑ
دیکھی جو نہ تھی دیر سے وہ چاند سی تصویر   قدموں پہ محبت سے گری دوڑ کے ہمشیر
بیتاب جو پایا بہت اُس تشنہ دہن کو
شبیرؑ نے لپٹا لیا چھاتی سے بہن کو

فرمایا بہن تم نے بنایا ہے یہ کیا حال   نہ سر پہ قصابہ ہے نہ چادر ہے نہ رومال
ماتھا ہے بھرا خاک سے بکھرے ہوئے ہیں بال   بیٹو نہیں جیتا ہے ابھی فاطمہؑ کا لال
دم تن سے مرا گھٹ کے نکل جائے گا زینبؑ
رو لیجیو جب رونے کا وقت آئے گا زینبؑ

زینبؑ نے کہا خوش ہوں جو میری اجل آئے | بھائی تمہیں اللہ اس آفت سے بچائے
خالق مجھے عابدؑ کی یتیمی نہ دکھائے | بھائی کی بلالے کے بہن خلق سے جائے
وسواس طبیعت کو بہلنے نہیں دیتا
مجبور ہوں دل مجھکو سنبھلنے نہیں دیتا

یہ ذکر ابھی تھا کہ سکینہؑ نے پکارا | سونا تو گیا آپ کے ہمراہ ہمارا
میں جاگتی ہوں اور جہاں سوتا ہے سارا | گردوں پہ چمکنے نہ لگے صبح کا تارا
نیند آئی ہے بیٹی کو سلا جائیے بابا
بس ہو چکیں باتیں اب ادھر آئیے بابا

حضرت نے کہا میں تری آواز کے قربان | اللہ تم اب تک نہیں سوئی ہو مری جان
غربت میں کہاں راحت و آرام کا سامان | بن باپ کے تمکو تو نہیں چین کسی آن
اچھی نہیں عادت یہ، نہ رویا کرو بی بی
پہلو میں کبھی ماں کے بھی سویا کرو بی بی

کیا ہوئے جو ہم گھر میں کسی شب کو نہ آئیں | مجبور رہوں ایسے کہ تمہیں چھوڑ کے جائیں
تم پاؤ نہ ہم کو نہ تمہیں ہم کبھی پائیں | بی بی کہو پھر چھاتی پہ کس طرح سلائیں
جنگل میں بہت قافلے لٹ جاتے ہیں بی بی
برسوں جو رہے ساتھ وہ چھٹ جاتے ہیں بی بی

جب عمر تھی کم ہم بھی چُھٹے تھے یونہیں ماں سے   سوتے تھے لپٹ کر یونہیں خاتونِ جناں سے
کوچ اُنکا ہوا سامنے آنکھوں کے جہاں سے   ماتم تھے ملیں نہ نہ بُکا سے نہ فغاں سے
یہ داغ یہ اندوہ و الم سب کے لیے ہیں
ماں باپ زمانے میں سدا کس کے جیے ہیں

رشتہ وہ اجل کا ہے جو ہوتا ہی نہیں بند   کوچ آج پدر کا ہے تو کل جائے گا فرزند
ہوتا ہے قلق فرقتِ اولاد میں ہرچند   کیا زور رہے بندے کا جو مرضیِ خداوند
جو آئے ہیں دُنیا میں وہ سب کوچ کریں گے
اس زیست کا انجام یہی ہے کہ مریں گے

یہ کہتے تھے حضرت کہ صدا آئی اذاں کی   گلدستۂ اسلام پہ بلبل نے فغاں کی ۵۱
اک دم میں بہار اور ہوئی باغِ جہاں کی   تلوار چلی گلشنِ انجم پہ خزاں کی
مہتاب ہوا گُم فلکِ نیلوفری سے
پھولا گلِ خورشید نسیمِ سحری سے

صبحِ شہادت

پھاڑا جو گریبانِ شبِ آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رُخِ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں پہ سفر فوجِ کواکب لگی کرنے
تاباں جو رُخِ نیّرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے درخشاں ورقِ خاک ہوا تھا

اظہار ہوئی خطِ شعاعی کی جو تنویر
پردۂ شبِ یلدا سے سیاہی ہوئی تغیر
خورشید نے کی سورۂ والشّمس کی تفسیر
والفجر کی کرتا تھا تلاوت فلکِ پیر
پھیلا ہوا تھا نورِ سحر ارض و سما میں
مصروف تھی سب خلقِ خدا یادِ خدا میں

خورشید کا وہ نورِ سحر کا وہ پیدا
شرحِ جبلِ الشّمس ضیاء تھی ہویدا
اشجار پہ تھے نغمۂ بلبلِ شیدا
سُرخی وہ شفق کی اُفقِ چرخ سے پیدا
لرزہ جو تنِ خسروِ خاور میں مگر تھا
سو مہرِ امامت پہ زوال آنے کا ڈر تھا

چمکا صفتِ شعلہ جو وہ مہرِ جہاں تاب — شبنم کی طرح سیم کواکب ہوئی بے آب
مائل بہ سپیدی ہوا رنگِ رخِ مہتاب — اور دیدۂ مردم سے سفر کرنے لگا خواب
طاقت نہ رہی شمع میں سوزِ جگری کی
پروانوں سے رخصت تھی چراغِ سحری کی

وہ سردیِ ہوا صبح کی وہ نور کا عالم — اور زمزمے مرغانِ خوش الحاں کے وہ باہم
وہ سبزۂ صحرا پہ پڑے گوہرِ شبنم — اور صبح کی نوبت کی صدا آتی تھی ہر دم
نالے کی جو شہنا میں صدا تھی وہ بجا تھی
وہ نوبتِ قتلِ پسرِ شیرِ خدا تھی

ہر شے سے عیاں تھا غمِ سبطِ شہِ لولاک — سر زانوئے غم پر تھے جھکائے ہوئے افلاک
اللہ رے ماتم کہ اڑاتی تھی زمیں خاک — دریا کا بھی موجوں سے سراسر تھا جگر چاک
آوارہ پرندے تھے مکاں خالی پڑے تھے
چوپائے چراگاہ سے منہ پھیرے کھڑے تھے

پہنچی جو گلستاں میں صبا خاک اڑاتی — غنچوں کے دھڑکنے لگے دل شق ہوئی چھاتی
تھی بلبلِ خوش نغمہ گلوں کو یہ سناتی — گلزارِ محمد پہ خزاں آج ہے آتی
باغی تبر و خنجرِ کیں لے کے چلے ہیں
کٹ جائینگے وہ نخل جو پھولے نہ پھلے ہیں

تیاری جنگ

عالم میں تو آغاز ہوئی صبحِ غم انجام — ہونے لگی میداں میں صف آرا سپہ شام
آراستہ کرتا تھا ہر اک خود سر و خودکام — گرز و تبر و تیر و سناں خنجر و صمصام
تھے لاف زناں باندھے ہوئے تیغ و سپر کو
قتلِ شہِ مظلوم پہ کسنے تھے کمر کو

آگے بڑھے آتے تھے سواروں کے رسالے — چمکاتے ہوئے تیغ ہلاتے ہوئے بھالے
آمادۂ جنگ ایک طرف برچھیوں والے — اک سو قدر انداز کمانوں کو سنبھالے
تھے آگے پرے فوج کے غایت قدموں کے
لہراتے تھے جوں موج پھریرے علموں کے

(۲۶۵) کہتا تھا کوئی دشمنِ دیں لاف زنی سے — اکبر کا جگر چھیدوں گا برچھی کی انی سے
لڑنا ہے مجھے آج امامِ مدنی سے — پیاسے نہیں بچنے کے مری صف شکنی سے
برباد کروں گا اسد اللہؑ کے گھر کو
تلوار سے کاٹوں گا محمدؐ کے جگر کو

تھے جمع ادھر بھی دو بہ دو مولا پہ موالی — ماتھوں پہ نشاں سجدے کے چہروں پہ بحالی
دل صبر سے معمور شکم کھانے سے خالی — کیا حلم تھا کیا زہد تھا کیا ہمتِ عالی
ہوتے تھے فدا نام پہ فرزندِ نبیؐ کے
وہ عاشقِ صادق تھے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

باندھے ہوئے عمامے سرِ ہر دہ خوش اطوار   تھے شاہ کے قدموں پہ فدا ہونے کو تیار
نورانی عباؤں کے تلے جنگ کے ہتھیار   رخ غیرتِ خورشید جبیں مطلعِ انوار
فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبر کی سپر تھے

وہ عابد و زاہد تھے وہ تھے عارفِ کامل   منہ قبلۂ ایماں کی طرف سوئے خدا دل
تسبیحِ زباں سارے امامت کے فضائل   قرآن بھی تیغیں بھی گلوں میں تھیں حمائل
حق اُن کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

قلب اُنکے تھے آئینۂ ایماں کی طرح پاک   دل نور کے تن نور کے اور نور کی پوشاک
خوش باطن و آگاہ دل و صاحب ادراک   خاک پسرِ فاطمہؑ میں اُن کی ملی خاک
روشن ہے کہ فرزندِ نبیؐ نورِ خدا ہے
یہ خاک اُنھیں غازیوں کی خاکِ شفا ہے

قانع تھے مجاہد تھے شجاعِ ازلی تھے   ہشیار تھے اور مستِ مئے حبِ علیؑ تھے (۰
پروانۂ شمعِ حرمِ لم یزلی تھے   حقا کہ ولی تھے وہ ولی تھے وہ ولی تھے
پیدا نہ کیے مالکِ تقدیر نے ایسے
دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ایسے

لشکر میں اُدھر مورچہ بندی کی ہوئی دھوم | یاں فرض ادا کرنے لگے عاشقِ قیوم
پیچھے تو جماعت تھی اور آگے شہِ مظلوم | صف بستہ ملائک ہیں یہی ہوتا تھا معلوم
سب ساجد و راکع تھے شہنشاہ کے ہمراہ
تاباں تھے بہتّر مہِ نو ماہ کے ہمراہ

فارغ جو صلوٰۃِ سحری سے ہوئے دیندار | پوشاک پہننے کو اُٹھے سیّدِ ابرار
فرمانے لگے حضرتِ عباسؑ علمدار | ہاں غازیو اب تم بھی سجو جنگ کے ہتھیار
قرباں تمھیں ہونا ہے محمدؐ کے پسر پر
کمروں کو کسو گلشنِ جنت کے سفر پر

اس مژدہ کو سنتے ہی مسلح ہوئے غازی | اصطبل سے آنے لگے جراروں کے تازی
شیرِ صفِ جنگاہ تھا ایک ایک نمازی | نعرے تھے کہ قربان شہنشاہِ حجازی
ڈیوڑھی پہ شگفتہ تھا چمن خلدِ بریں کا
خیمے میں تلاطم تھا وداعِ شہِ دیں کا

آمدِ علم

جس دم درِ دولت پہ امامِ اُمم آیا | پیٹے یہ حرم گھر میں کہ ہونٹوں پہ دم آیا
تسلیم کو اسلام کا لشکر بہم آیا | کس صولت و اقبال و حشم سے علم آیا
جاتی تھی چمکنے میں ضیا عرش تک اُس کی
خورشید کو پنجے میں لیے تھی چمک اُس کی

(۵۱) آپس میں یہ کہتے تھے رفیقانِ دلاور — دیکھیں یہ ہُما سایہ فگن ہوتا ہے کس پر
اکبرؑ کے تو ہے نام پہ سالاری لشکر — عباسؑ کو دینگے شہِ دیں منصبِ جعفرؓ
اک عشق ہے اس غیرتِ سلطانِ اُمم کو
بھائی کو کبھی دیکھتے ہیں گاہ علم کو

زینبؑ کے پسر مشورہ کرتے تھے یہ باہم — کیوں بھائی علم لینے کو ماموں سے کہیں ہم
تائید خدا چاہیے گو عمر میں ہیں کم — عہدہ تو ہمارا ہے یہ آگاہ ہے عالم
واقف ہیں سبھی حیدرؑ و جعفرؓ کے شرف سے
حق پوچھو تو حقدار ہیں ہم دونوں طرف سے

دادا بھی علمدار تھے نانا بھی علمدار — ہم اپنے بزرگوں کے ہیں منصب کے طلبگار
کہتا تھا بڑا عرض کا موقع نہیں زنہار — ہیں بادشہِ کون و مکاں مالک و مختار
عُہدہ تو بڑا یہ ہے کہ ماموں پہ فدا ہوں
چُپکے رہو اماں نہ کہیں سُن کے خفا ہوں

مطلب نہ علم سے نہ حشم سے ہمیں کچھ کام — مٹ جائیں نشاں بس یہی عہدہ ہے یہی نام
یہ سر ہے نثارِ قدمِ شاہِ خوش انجام — عزت رہے بھائی یہ دعا ہے سحر و شام
آقا جسے چاہیں علمِ فوجِ خدا دیں
مشتاق اجل ہیں ہمیں مرنے کی رضا دیں

روتی تھی جو پردے کے قریں زینبؑ دلگیر　　سب اپنے مفصل یہ تھی بیٹوں کی تقریر
فضہ سے یہ کہنے لگی وہ صاحب توقیر　　دونوں کو اشارے سے بلا لے کسی تدبیر
کچھ کہنا ہے۔ سن لیں اُسے فرصت اُنھیں گر ہو
عباسؑ نہ دیکھیں نہ شہ دیں کو خبر ہو

(۲۸۰) یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے وہ نکوکار　　چھوٹے سے یہ فرمانے لگی زینبؑ ناچار
کیا باتیں ابھی بھائی سے تھیں اے مرے دلدار　　اسوقت میں ہو کون سے منصب کے طلبگار
سمجھے نہ کہ مادر عقب پردہ کھڑی ہے
گھر لٹتا ہے میرا تمھیں منصب کی پڑی ہے

اللہ رے یہ عزم کیا باندھ کے تلوار　　بچو تمھیں ایسا نہ سمجھتی تھی میں زنہار
دیکھو ابھی تم دونوں سے ہو جاؤنگی بیزار　　کچھ کہیو نہ ماموں سے خبردار خبردار
کیا دخل تمھیں امر میں سلطانِ امم کے
دیکھوں گی نہ پھر منھ جو گئے پاس علم کے

دو روز سے بھائی پہ مرے ظلم و ستم ہے　　تم فکر علم میں ہو مجھے سخت الم ہے
چھوٹے سے ہیں قد سن بھی تمھارا ابھی کم ہے　　کھیل اسکو نہ سمجھو یہ محمدؐ کا علم ہے
ہرگز نہ ابھی کچھ شہ ذیجاہ سے کہنا
کہنا بھی تو رخصت کے لیے شاہ سے کہنا

مانا کہ پہنچتا ہے تمھیں منصب جعفرؓ — آقا کی غلامی سے ہے عمدہ کوئی ہنر
چھوٹا مرا بھائی بھی ہے بیٹوں کے برابر — عاشق کا تو عاشق ہے برادر کا برادر
بگڑوں گی گلہ گر کبھی اسلوب کرو گے
عباسؓ سے کیا تم مجھے محجوب کرو گے

صدقے گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں مکرر — تم پہلے فدا کیجیو سرشہ کے قدم پر
میدان میں زخمی ہوئے گر قاسم و اکبرؓ — پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی مادر
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئیں نہ ماں کے

۵ اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ — اجلال حسن شوکت شبیرؓ دکھاؤ
جعفرؓ کی طرح جوہر شمشیر دکھاؤ — تن تن کے یداللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشید امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

جعفرؓ سے نمودار کے دلبر ہو دلیرو — حیدرؓ سے دلاور کے دلاور ہو دلیرو
جرار ہو کرار ہو صفدر ہو دلیرو — ضرغام ہو ضیغم ہو غضنفر ہو دلیرو
تیروں سے جوانوں کے جگر توڑ کے آؤ
خیبر کی طرح کوفہ کا در توڑ کے آؤ

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو　　بچّے اسداللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے نیزوں کو ریلو　　کوفہ کو تہِ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغ عرب کو
لو روم کو قبضہ میں تو کابو میں حلب کو

میلے نہوں تیور یہ سپاہی کے ہنر ہیں　　جیسے ہیں بس اُسکے ہیں جدھر ہیں بس اُدھر ہیں
گھر عطر میں ڈوبے ہیں گئے خون میں تر ہیں　　صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
عزت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

یہ سُن کے جو نکلے وہ جری خیمہ سے باہر　　کس پیار سے منھ دونوں کا تکنے لگے سرور
اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے سبط پیمبرؐ　　تیار ہے سب قبلۂ کونین کا لشکر
جلدی ہے لڑائی کی اُدھر فوج ستم کو
ارشاد جسے ہو وہ بڑھے لے کے علم کو

شہ بولے کہ عباسؑ دلاور کو بلاؤ　　پیارے مرے محبوب برادر کو بلاؤ (۲۹۰)
عاشق کو مددگار کو یاور کو بلاؤ　　جلدی مرے حمزہؓ مرے جعفرؓ کو بلاؤ
یہ اوج یہ رتبہ یہ حشم اُسکے لیے ہے
زیب اُس سے علم کی ہے ۔ علم اُسکے لیے ہے

خوش ہو کے یہ عمو کو پکارے علی اکبرؑ　　جلد آئیے یاد آپ کو فرماتے ہیں سرور
حاضر ہوا جوڑے ہوئے ہاتھوں کو وہ صفدر　　ارشاد کیا شہ نے علم بھائی کو دے کر
رکھیے اسے کاندھے پہ یہ ہے آپ کا عہدہ
لو بھائی مبارک ہو تمھیں باپ کا عہدہ

بوسہ دیا عباسؑ دلاور نے علم پر　　تسلیم کی اور رکھ دیا سر شہ کے قدم پر
کی عرض کہ قربان اس الطاف و کرم پر　　سو سر ہوں تو صدقے ہیں شہنشاہِ امم پر
ادنٰے جو ابھی تھا اُسے اعلٰے کیا مولٰے
قطرے کو ترے فیض نے دریا کیا مولٰے

کھولا جو پھریرے کو علمدار جری نے　　لوٹے گُلِ فردوس نسیم سحری نے
تاروں کو اُتارا فلک نیلوفری نے　　پرچم جو کُھلا کھول دیے بال پری نے
عیسٰے نے پکارا کہ نثار اسکے حشم کے
خورشید نے منھ رکھدیا پنجہ پہ علم کے

ترتیبِ صفِ فوج کا جسدم ہوا اعلام　　باندھی علی اکبرؑ نے صفِ لشکرِ اسلام
ظاہر جو ہوئی شانِ جوانانِ گل اندام　　کوفہ کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفا و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

(۲۹۰) ناگاہ جفاکیشوں کی جانب سے چلے تیر
شہ کے رفقا ہوگئے سب دست بہ شمشیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرت شبیرؑ
فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
آخر میں نواسا ہوں تمہارے ہی نبیؐ کا

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتادو
سرزد ہوئی ہے کونسی تقصیر بتادو
کس امر پہ مجرم ہوا شبیرؑ بتادو
شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتادو
روئے گی اگر بنت علیؑ عرش ہلے گا
برباد کیے سادات سے کیا تم کو ملے گا

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار
کیا وجہ جو تم سب ہوئے در پے آزار
یہ اُسپہ تعدی جو بلا میں ہو گرفتار
حاجی بھی ہوں اور قبر نبی کا بھی ہوں زوار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِ مدنی میں
پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

بچوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے
اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
دکھ درد میں کیا پاس تمہارا کیا میں نے
کچھ اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا
دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوہ نہیں کرتا

شہنشاہ کربلا

یہ سُن کے پکارا عمرِ سعد جفا کار — بے سود یہ تقریر ہے یا سیدِ ابرار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار — بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچیے تلوار
جلّادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں
اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری — کچھ جنگ سے فرزند پیمبر نہیں عاری
ہاں بیکس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری — بدلے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے
بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے

شہادت حضرتِ حرؑ

حرؑ اور بیٹے کا مشورہ

اعدا سے یہ کہکر جو پھرے سیدؑ خوشخو ۔ تھرّا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو ۔ آنکھوں سے مگر حرؑ کے نکلنے لگے آنسو
منھ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا

کانپا جو کئی بار وہ مولیٰ کا فدائی ۔ ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
بڑھکر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی ۔ تب حرِّ جری نے اُسے یہ بات سنائی
سیدؑ پہ جفا ہوتی ہے مرجانے کی جا ہے
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

شہزادۂ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر ۔ بیجرم نبی زادے کے درپے ہیں یہ بے پیر
بیکس کے لیے تیز ہے تیغ و تبر و تیر ۔ کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں

کیا شور بختی قسمت کہ ہوئی کس کی نمکخوار — اللہ کے محبوب کا دشمن ہے جو غدار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار — حق جسکی طرف ہے میں اُسیکا ہوں طلبگار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
فرزند پیمبرؐ کی رفاقت میں مروں گا

۰۵) چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے — بیکا ہوں مگر ابن علیؑ راہ نما ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے — ہر شخص کے اعمال جدا قبر جدا ہے
سب جیتے ہی جی کے ہیں سوا آل نبیؐ کے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا — بولا حُرِ دیندار کہ خوشنودی زہراؑ
ساتھ اُسکا میں دونگا کہ جو ہے بیکس و تنہا — فرزند نبیؐ نور خدا سید بطحا
یاں کفر ہے ایماں کی اُدھر جلوہ گری ہے
تھوڑوں کا جو دے ساتھ وغا میں وہ جری ہے

بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت — آنکھوں سے چلینگے کہ یہ ہے عین عبادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت — کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑینگے
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں گے

سو سر ہوں تو زہراؑ کے جگر بند پہ واریں — سو بیٹیوں کو صدقے شہِ والا پہ اُتاریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں — دُنیا کے لیے بندۂ مقبول کو ماریں
ہمراہیِ غدار و بد افعال پہ لعنت
دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اُس مال پہ لعنت

عبدِ حُرِ غازی نے کہا تول کے شمشیر — گر لاکھ ہوں جائیں تو نثار سرِ شبیرؑ
دُنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر — کہیے تو کروں اُسکے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے
اُس فوج میں چلیے تو اُسے مار کے چلیے

(۳۱۰) حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار — آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدر و جرّار — بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہو لیں تو لڑینگے
پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے

یہ کہہ کے گیا پاس عمر کے وہ دلاور — پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
بولا وہ لعیں دستِ نحس پھیر کے منہ پر — منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبر
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبی کا
بچہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزند پیمبرؐ　　یہ تیر یہ نیزے یہ تبر اور یہ خنجر
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائینگے سرور　　پنجے میں ہے شیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ امم پر
چادر نہیں رہنے کی سر اہلِ حرم پر

تھرا کے کہا حرؔ نے کہ ڈر قہرِ خدا سے　　بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھپہ سما سے
باز آ ستم و ظلم و تعدی و جفا سے　　کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں وہ بیداد لڑے ہیں
سادات ہیں یہ انکے حق امت پہ بڑے ہیں

بس زرد ہوا سن کے یہ باتیں وہ سیہ رو　　بولا کہ مجھے کہتا ہے مردودِ خدا تو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو　　اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوشخو
جابر ہے یزید اسکا بھی کچھ خوف نہیں ہے
ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے

صالح ہو کہ طالع ہو کسی سے ہمیں کیا کام　　طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
مٹ جائیگا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام　　سکتے ہیں ہے لشکر تری باتیں سیہ شام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
بلوہ ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو

برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمکخوار
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
مانا کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں شہ ابرار
آ پڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرار
جنگ احد و بدر میں کیا کھیت پڑے ہیں
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں

حُر نے کہا اب مجھکو کسی کا نہیں کچھ دھیان
سید پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکان
زہراؑ کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان
گھر شام میں لٹ جائے پہ ضائع نہو ایمان
جنت ہے گھر اُسکا جو غلام شہ دیں ہے
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جسکو نہیں ہے

شیطاں تجھے سننے نہیں دیتا مری تقریر
بینا وہ ہے سوجھے جسے انجام کی تدبیر
دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر
کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکم بے پیر
گر سبط پیمبر پہ ترا زور چلے گا
تو تا بہ ابد نار جہنم میں جلے گا

بیٹے نے کہا حُر سے بس اب خلد میں چلیے
ہوتی ہے بس اب دیر جہنم سے نکلیے
آنکھیں قدم قبلۂ کونین پہ ملیے
چل کر چمن فاطمہؑ میں پھولیے پھلیے
سامع سخن حق کا یہ مردود نہ ہوگا
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہوگا

بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار
ہاں جہل مرکب میں سیہ رو ہے گرفتار
یہ پند بھی بیجا ہے نصیحت بھی ہے بیکار
عقبیٰ سے غرض کیا سگِ دنیا ہے یہ غدار
بدخواہ جگر بند رسولِ مدنی ہے
یہ دشمنِ دیں خلق میں گردن زدنی ہے

چلا آیا قریب آ کے غلامِ حرِ غازی
عوعو یونہیں کرتا ہے یہ سگ چھیڑ ہے تازی
ہم دوست ہیں یہ دشمنِ سلطانِ حجازی
ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
منحوس نے بدنام کیا قومِ عرب کو
اس بوم کے سائے سے حذر چاہیے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
سنتا رہا چپکا سخنِ سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرتِ شبیرؑ
سیدھے کیے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

اسلام کی سرحد میں جو پہونچے وہ نکوکار
رہواروں پہ چاروں نے رکھے کھول کے ہتھیار
سب باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حرِ دیندار
یا عقدہ کشا یا شہِ دیں یا شہِ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
اے نوحِ غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے

مشہورِ دو عالم ہے تری ہمّتِ عالی — سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
سر پر ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی — توبہ کے لیے آیا ہوں یا خلق کے والی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

(۳۲۵) حضرت نے سُنا حر کا جو یہ نالۂ جانکاہ — خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہِ ذیجاہ
آ آمرے ہمدرد و مددگار و ہوا خواہ — بھائی میں تری دیر سے تکتا تھا تری راہ
استادہ ہے کیوں دور تردّد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

جس حال میں ہو آ کہ مرا گھر ترا گھر ہے — ماتم کدۂ آلِ پیمبرؐ ترا گھر ہے
کاشانۂ لختِ دلِ حیدرؓ ترا گھر ہے — جنّت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابنِ سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آلِ نبیؐ ہیں

اکبرؓ نے لیا ہاتھ میں دستِ حرِ ذیجاہ — عباسؓ نے خود فرق پہ کھولا علمِ شاہ
قاسمؓ تھے برادر کے برابر صفتِ ماہ — زینبؓ کے پسر دونوں چلے بیچ کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا — اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا — غفار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا
اوج اُسکے لیے ہے جو جھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھکو ملے گا — قربِ اسدِ قلعہ کشا تجھکو ملے گا
کھل جائینگی آنکھیں وہ صلا تجھکو ملے گا — کل آج کے فاقے کا مزا تجھکو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصہ ہے برادر
جنت میں ہمارے ترا حصہ ہے برادر

۳۰ کی دست ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار — بھوکا اسی نعمت کا ہے یہ عبد گنہگار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار — چلّوں سے ملے تیر علم کھل گئے اکبار
ڈنکے پہ اُدھر چوٹ پڑی لشکرِ کیں سے
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں سے

عباسؑ نے کھولا علمِ فوجِ پیمبر — جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کی عرض پدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھکر — کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اس فوج سے سرور
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے

ہمشکل پیمبر جو بڑھے سُن کے یہ احکام ۔ شہزادے کے قدموں پہ گرا حُر خوش انجام
کی عرض بمنّت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام ۔ خادم جو سرِ اول ہو تو ہو جائے بڑا نام
دلوا دو اجازت کہ غریب الغربا ہوں
حسرت ہے کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں

فرمایا بہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا ۔ ساتھ اُسکو لیے آئے حضورِ شہِ والا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیّدِ بطحا ۔ پہلے حُرِ غازی کو ہے رخصت کی تمنّا
بھیجیں اسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو

حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے ۔ تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
بیکس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے ۔ آیا ہے ابھی اور ابھی کہدوں کہ سدھارے
دم بھر نہیں [illegible] ملاقات ہوئی ہے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مدارات ہوئی ہے

۳۳۵ اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا ۔ مشتاقِ محبت کو ہنساتے ہی رلانا
بینائی تحصیل سعادت ہے یہ مانا ۔ سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گذرا ہے زمانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بیدم اُسے دیکھیں
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں

حُر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی | منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جدائی
گر کر قدم شہ پہ یہ بولا وہ فدائی | مرجاؤں گا پہلے جو رضا سن کی نہ پائی

اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں
محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لیکے چلا ہوں | مقبول الٰہی کی دعا لے کے چلا ہوں
سید کی غلامی کا صلا لے کے چلا ہوں | کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں

نام اسکا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے
رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

کی حُر نے فصاحت سے جو مدّاحی سرور | منہ موڑ لیا شرما کے سخی نے رُخِ انور
اکبرؑ سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر | کہدو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر

مدّاح کو مہماں کو بہادر کو صلا دو
آؤ یہ عبا لے کے مری حُر کو اُڑھا دو

اکبرؑ نے عبا لے کے جو مہماں کو اُڑھائی | شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
عباسؑ پکارے کہ زہے عقدہ کشائی | لے خلعتِ رحمت تری اُمید بر آئی

کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
فردوس کے حُلّے سے نہ کم جانیو اس کو

رخصت ہوا جب سبطِ نبیؐ سے حُرِ جرّار چومے قدم شاہ پھرا گرد کئی بار ۳۴
تسلیم جو کی جھک کے تو روئے شہِ ابرار فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار
دُنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
عقبیٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی

اشعار رجز پڑھ کے وہ جرّار پکارا آتا ہے غلام اُسکا علیؑ کا ہے جو پیارا
آقا ہے مرا عرشِ معلّٰی کا ستارا ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولؐ دوسرا کے
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے

یہ سُنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرّار اک شیر سا نیزوں میں دھنسا حیدرِ کرّار
کفّار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر

لاشوں کو اٹھانے گئے جب قبلۂ عالم چھیڑا حُرِ دیندار نے شبدیز صبا دم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم یہ صبر تو دیکھو کہ نہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
چمکا کے فرس اُڑنے لگا فوج گراں سے
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے

اللہ ری عمانِ شہِ دیں کی لڑائی — فرصت نہ سنبھلنے کی خطا کاروں نے پائی
اک برق گری تیغ چمک کر جو ادھر آئی — برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبرائے تھے اعدا
جلتی ہوئی دوزخ میں جلے جاتے تھے اعدا

لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا — تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا — نامردِ لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو

کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی — کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی — جلوہ کیا سو بار پہ صورت نہ دکھائی
بھل اسکا نظر بندیِ اعدا پہ تُلا تھا
اسمیں کوئی پردہ نہیں مُنھ صاف کھلا تھا

بے سر نظر آیا وہ جسے پا گئی شمشیر — دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
جھکی تو ادھر اور ادھر آ گئی شمشیر — کیا مُنھ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب چوٹ پڑی تھی
پُرزے کیا اسکو بھی ذرہ لاکھ کڑی تھی

جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ — صفدر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ — ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا
نابیں تھیں کہ بحرِ موت کا پانی تھا کہ سم تھا

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا — بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
غصّے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا — کف مُنھ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
مارا تھا قدم اُس نے شجاعت کے چلن پر
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر

(۳۵۰) رونے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا — رہوار نے کچلا اُسے خر نے جسے مارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا — مڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
ایسا تو سُبک رو فرسِ برق سفر ہو
پُتلی پہ ہو پُتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

کھانے لگی گھونگھٹ جو سپاہِ ستم آرا — بڑھ کر عمرِ سعد جوانوں کو پکارا
بھاگے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا — گھیرو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
دو لاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے
ہاں تیر لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ اے ظالمِ غدار　　غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
بتلا انھیں انداز دغا کھینچ کے تلوار　　کیوں صورت روباہ دکھاتا ہے جھاکار
تو دشمنِ لختِ جگرِ شیر خدا ہے
اُس صف سے نکل کر جو ادھر آ تو مزا ہے

کہکر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا　　سمٹا ہوا لشکر تہ و بالا نظر آیا
رہوار تڑپ کر ادھر آیا اُدھر آیا　　مضطر ہوے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عمر خیرہ سری پر
بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پر

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس　　دم بھر میں لہو ہو گیا جرار کا ملبوس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس　　غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
رُخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے
فوارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بُنِ مو سے

اس حال میں بھی رکتی نہ تھی شیر کی تلوار　　جو آ گیا زد پر اُسے بھیجا طرفِ نار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کاروں نے اکبار　　مجروح ہے اب کیا ہو فرس ہو گیا بیکار
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا
گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

جبتک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے — مہماں کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے — مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے

دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر
اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

روتا تھا وفاداری مرکب پہ وہ صفدر — جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
حضرت کو پکارا وہ حزیں خاک اڑا کر — مہماں کی خبر لیجیے یا سبط پیمبر

خادم نہیں بھائی نہیں پیارا نہیں میرا
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا

اعدائے ادھر فتح کے باجے جو بجائے — نکلا پسر سعد لعیں چتر لگائے
یہ دور سے حر کو سخن طنز سنائے — کیوں ترک رفاقت کے مزے خوب اٹھائے

اس وقت کوئی آ کے حمایت نہیں کرتا
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی — اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
بتلا مجھے وہ کونسی دولت ہے جو پائی — مہمانی میں تلوار پہ تلوار تو کھائی

ہاں مرتبہ اسوقت شہیدوں میں بڑھے گا
جب نوک سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا

۹۰۱ گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حرِ دیندار کیا ہرزہ درائی ہے یہ او ظالمِ غدار
پاس آ کے سخن کر تو سنوں میں تری گفتار زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
بڑھتا نہیں یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر
مرتا ہوں یہ مژدہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

رتبہ جو ملا ہے مجھے تو کیا اُسے جانے خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِّ دو سرا نے پہلو میں محمدؐ ہیں ید اللہ سرہانے
سر عرش پہ اُن کا ہے جو رتبہ میں بڑے ہیں
ہو ہے لیے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں

مجھسا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا اک جو کے برابر تری دنیا کو نہ جانا
نعمت کے مزے دے گیا برچھیاں کھانا صدقے ہوا اُسپر کہ نبیؐ جسکے ہیں نانا
بینا ہے تو خلعت کو نہ انعام کو دیکھے
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حرِ جگر افگار سر کاٹ لوں اس کا یہ پکارا وہ جفاکار
جلّاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اکبار بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اُٹھنے کی نہیں ضربت لی ابنِ علی کی
دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغِ علیؑ کی

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ   لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسد اللہؑ
ریتے پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ   مہماں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذیجاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی
بے ہوش میں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

(۳۶۵) سن کر یہ صدا حر نے جو آنکھوں کو کیا وا   سر حضرتِ شبیر کی آغوش میں دیکھا
جلدی قدم شاہ پہ منھ مل کے یہ بولا   صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا
ذرہ تھا یہ اب مہرِ منور ہوا آقا

غش سے جو کھلتے تھے مرے دیدۂ پرنم   صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اس دم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیدِ عالمؐ   لے آئے ہیں اے حر ترے لینے کے لیے ہم
شبیرؑ کا جو دوست وہ پیارا ہے نبی کا
تو آج سے مہماں ہے رسولِ عربیؐ کا

مجھ پر حسنؑ و جعفرؑ و حمزہؑ کا ہے یہ پیار   جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ارشاد علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار   ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہے یہ غمخوار
زخمی ہے جدا کیجیو یوں روح بدن سے
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

یہ ذکر تھا ظاہر ہوئے جو موت کے آثار   تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خونبار   مڑ کر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار
بس دیکھ کے دیدار امام ازلی کا
رخصت ہوا مہمان حسینؑ ابن علیؑ کا

شہادت حبیب ابن مظاہرؓ

اب بیاں سے رقم کرتا ہے یوں راوی صادق
جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
پھر فوج پہ برسانے لگے تیر منافق
مرجانے پہ اکدل ہوئے سب شاہ کے عاشق
ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سربکف رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار
جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود روکتے تھے فرق پہ جب آتی تھی تلوار
یارانِ کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جان آگئی جس وقت پیامِ اجل آیا

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ
آزار کو لطفِ احدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ
مرنے کو حیاتِ ابدی جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
دو روز کی پیاس انکے لیے آبِ بقا تھی

قربان تو لاے حبیب ابن مظاہر یکساں صفت مہر ہیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بری طیب و پاکیزہ و طاہر جانباز جہاں دیدہ فن جنگ سے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
اسپر بھی کچھ آگے ہی جوانوں سے قدم تھا

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی پروانۂ جانباز بھی شمع سحری بھی
ابرار بھی دیندار بھی عصیاں سے بری بھی زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی جری بھی
طفلی سے یہ فوج شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

رعشہ تھا کہ قابو میں نہ تھے دست نکو کا پر ایک میں محکم تھی سپر ایک میں تلوار
جب شہ کی طرف تیر لگاتے تھے ستمگار یہ بڑھ کے اسے روکتے تھے سینے پہ ہر بار
بھائی مرے پاس آؤ یہ فرماتے تھے حضرت
جب تیر انھیں لگتا تھا تڑپ جاتے تھے حضرت

شہادت پسرانِ حضرتِ مسلمؑ

(۵۷۳) مارے گئے مولا کے جب انصار و موالی
تب حضرتِ مسلمؑ کے یتیموں نے رضا لی
جسدم وہ چلے رونے لگے سرورِ عالی
اک حملے میں دونوں نے پرے کر دیے خالی
تھا غلغلۂ دار و بگیر اہلِ ستم میں
برپا تھا تلاطم حرمِ شاہِ اُمم میں

گھر میں یہ تلاطم تھا کہ آئے علی اکبرؑ
کی عرض پھوپھی سے کہ ذرا سُنیئے تو مادر
روتی ہوئی گھبرا کے اُٹھی زینبؑ مضطر
پاس آ کے کہا خیر تو ہے اے مرے دلبر
ماتم میں بجا ہوش ہمارے نہیں بیٹا
بھائی تو کہیں رن کو سدھارے نہیں بیٹا

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ خود آئے شہِ ابرار
کس درد سے فرمایا کہ اے خواہرِ غمخوار
سب فوج سے لڑ کر پسرِ مسلمؑ ناچار
مارے گئے مقتل میں وہ نام آور و جرّار
پردیس میں اُنسے بھی جدائی ہوئی زینبؑ
بس خاتمہ ہے گھر کی صفائی ہوئی زینبؑ

شہادت پسرانِ حضرت زینبؓ

زینبؓ نے سُنی جب یہ خبر شاہِ امم سے
مسلم کے پسر خوب لڑے فوج ستم سے
دل ہلگیا رنگ اُڑ گیا افراط الم سے
آنسو رخِ انور پہ بہے دیدۂ نم سے

کام آنا تھا جو سُن کے خجل ہوتی تھی زینبؓ
فرزندوں کا مُنہ تکتی تھی اور روتی تھی زینبؓ

کچھ مُنہ سے نہ کہتی تھی مگر تھا یہ اُسے دہیان
شہ پر مرے بیٹے ہوں اسی طرح سے قربان
آگے تو یہ حسرت تھی کہ ہو بیاہ کا سامان
اب کوئی تمنا نہیں گر ہے تو یہ ارمان

چرچا ہو کہ حق ماں کا ادا کر گئے دونوں
کس شان سے زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں

سب بیبیوں کا دھیان اسی بات پہ ہوگا
مشہور ہے زینبؓ شہِ مظلوم کی شیدا
کیا وجہ جو فرزندوں کو مرنے کو نہ بھیجا
کچھ بن نہیں آتی مجھے تدبیر کروں کیا

کس کو خبر اسکی ہے کہ غم کھاتی ہے زینبؓ
لاش آتی ہے اوروں کی گڑی جاتی ہے زینبؓ

بن آپ تو بیٹوں سے کرونگی نہ یہ تقریر ماموں کے عوض سینہ پہ کھاؤ تبر و تیر
خود جانتے ہیں مرتبۂ حضرت شبیرؑ ہیں سوچ میں۔ دیکھوں تو یہ کیا کرتے ہیں تدبیر
صادق ہیں محبت میں تو کام آئینگے دونوں
مادر کو جلائیں گے تو مر جائیں گے دونوں

ماموں نے اُنھیں دل کیطرح گود میں پالا آقا کی رفاقت سے ہوئی قدر دو بالا
کیا دل میں نہیں اُنکے ولائے شہِ والا بچے نہیں کچھ نامِ خدا ہوش سنبھالا
منصف ہو کوئی یہ مرے سمجھانے کے دن ہیں
یا آپ سے اُن دونوں کے مرجانے کے دن ہیں

مانع ہے جو پاسِ ادبِ سیدِ ابرار کیا قصد ہے مجھسے تو کریں سو دل اظہار
حیران ہوں آپس میں ہے کس بات کی تکرار مرنا نہیں منظور تو کیوں باندھی ہے تلوار
کھلتی ہیں نہ کمریں نہ رضا لیتے ہیں دونوں
ہر دم مرا منھ دیکھ کے رو دیتے ہیں دونوں

میرے لیے روتے ہیں تو بیجا ہے یہ زاری ماموں پہ تصدق ہوں جہاں سے انھیں پیاری
مرجانے کی ہمت اُنھیں دے ایزدِ باری میں گرد پھروں اُنکے جو منگواؤں میں سواری
بیٹا ہو بھتیجا ہو غنی ہو کہ گدا ہو
مجھکو تو وہ پیارا ہے جو بھائی پہ فدا ہو

(۵۱ انصار لڑے شاہ کے لاکھوں سے اکیلے — پیاسے بھی رہے زخم بھی تلواروں کے جھیلے
ایسے نہیں جو نرغے میں لشکرِ اعدا کے ملے — ساتھ اُنکے جو کھیلے تھے وہ یوں جان پہ کھیلے
دے سب کو خدا خلق میں لختِ جگر ایسے
ماں صابرہ ایسی پدر ایسا پسر ایسے
ماموں پہ یہ آفت ہے اور اُنکو نہیں کچھ دھیان — اب صدقے نہ ہونگے تو کب ہونگے قربان
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میدان — ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں نادان
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے
وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر — ہو جائینگے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیرؑ
اب کیا ہے جو مر جانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر — شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر
اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں — پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
کیا کام ہے مجھ سے مجھے صورت نہ دکھائیں — مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اُٹھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو
ماں مر گئی آباد کریں باپ کے گھر کو

احوالِ عون و محمد

دل سے یہ بیاں کرتی تھی زینبؑ جگر افگار ‏ اتنے میں پسر آ کے گرے قدموں پہ اک بار
کی دستِ ادب جوڑ کے یہ عونؑ نے گفتار ‏ ہے بھائی میں اور مجھ میں بڑی دیر سے تکرار
میں کہتا ہوں مرنے کو مجھے جانے دو پہلے
یہ کہتے ہیں تلواریں مجھے کھانے دو پہلے

(۲۹۰) کبتک میں بھلا رنج عزیزوں کے اُٹھاؤں ‏ سمجھائیں انھیں آپ تو میں مرنے کو جاؤں
زخمِ تبر و تیر و سناں سینے پہ کھاؤں ‏ اعدا کو شجاعت شہِ مرداں کی دکھاؤں
مردوں کا دلیروں کا یہی کام ہے اماں
لڑیے جو اکیلے تو بڑا نام ہے اماں

یہ کہہ کے جو خاموش ہوا عونؑ خوش اطوار ‏ صدمے سے نہ چھوٹے کو رہی طاقتِ گفتار
بس آنکھوں کو مل مل کے وہ رونے لگا زار ‏ کی عرض سُنا آپ نے اے مادرِ غمخوار
کیا جانیے کس بات پہ یہ ہم سے خفا ہیں
ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باپ کی جا ہیں

ہمنے تو کبھی انکو اکیلا نہیں چھوڑا ‏ خدمت سے غلامی کی کبھی مُنھ نہیں موڑا
سر پاؤں پہ سو بار دھرا ہاتھوں کو جوڑا ‏ ٹھہرا کے جُدائی کا سخن دل مرا توڑا
ہم تو کسی مشکل کو بھی مشکل نہیں سمجھے
شاید ہمیں یہ جنگ کے قابل نہیں سمجھے

چھوٹے ہیں جواب اسکا بڑے بھائی کو کیا دیں — اچھا ہمیں لاکھوں سے یہ لڑنے کی رضا دیں
پیچھے جو ہٹیں پاؤں تو جو چاہے سزا دیں — میداں سے خدا چاہے تو لشکر کو بھگا دیں
جانبازوں کے نزدیک نہیں مُلکِ عدم دور
نہ فوجِ ستم دور نہ یہ دور نہ ہم دور

دنیا میں کوئی اور بھی ہمسا ہے دلاور — ہم شیر ہیں شیروں کو نہیں مرنے کا کچھ ڈر
اک حملے میں گر ہم نہ اُلٹ دیں صفِ لشکر — پھر دودھ نہ اپنا ہمیں تم بخشیو مادر
شہ کے قدمِ پاک پہ سر دیکے پھریں گے
یا رن سے سرِ شمر و عمر لے کے پھریں گے

خاطر تو نہ ان کی نہ مری کیجئے مادر — انصاف سے فرمائیے از بہرِ پیمبرؐ (۵۱
کس طرح کہوں میں کہ چلے جائیں برادر — چھوٹا تو جیے اور بڑا بھائی ہو بے سر
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ پلے ہیں
کیسی ہے یہ اُلفت کہ ہمیں چھوڑ چلے ہیں

بیٹوں کے سخن سُن کے یہ کہنے لگی زینبؓ — ہاں دیر کا باعث تھا یہی مجھ پہ کھلا اب
قربان گئی سمجھی میں تم دونوں کا مطلب — ماموں پہ ستم ہو یہ گوارا ہے تمہیں کب
جس کام کے تم ہو یہ اسی کام کا دن ہے
کس طرح سے ہمت نہ کرو نام کا دن ہے

آپس کی جُدائی جو گوارا نہیں پیارو
جھگڑا میں چکا دیتی ہوں لو ساتھ سدھارو
ماموں کے جو دشمن ہیں اُنھیں گھیر کے مارو
سرداروں کے سر چھوٹی سی تیغوں سے اُتارو
باندھی ہے کمر دونوں ستمگاروں نے شر پر
اک شمر پہ حملہ کرے اور ایک عمر پر

جھپکے نہ پلک سر پہ جو شمشیرِ اجل آئے
چھاتی پہ لگے تیر تو ابرو پہ نہ بل آئے
قاصر ہو نہ ہمت نہ شجاعت میں خلل آئے
چھاتی نہ ہٹے سینہ پہ برچھی کا جو پھل آئے
لوگ ایسے ہی جانبازوں کو روتے ہیں جہاں میں
شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں

نعرے کرو ایسے کہ دلِ کوہ دہل جائے
جل جائے وہ صف وار جدھر تیغ کا چل جائے
رستم ہو تو گھبرا کے صفِ جنگ سے ٹل جائے
مچھلی کی طرح ایک سے ایک آگے نکل جائے
لشکر پہ جب اس طرح چڑھے جائیو واری
روے ہوے اعدا کو بڑھے جائیو واری

(۴۰۰) شیروں کے لیے ننگ ہے تلوار سے ڈرنا
میدان میں تن تن کے سپر سینوں کو کرنا
ہر زخم پہ دم الفتِ شبیرؑ کا بھرنا
قربان گئی جینے سے بہتر ہے یہ مرنا
دُنیا میں بھلا عزتِ اسلام تو رہ جائے
تم جیتے رہو یا نہ رہو نام تو رہ جائے

نانا کی طرح کون دغا کرتا ہے دیکھوں سر کون ہزاروں کے جُدا کرتا ہے دیکھوں
حق کون بہت ماں کا ادا کرتا ہے دیکھوں ایک ایک صفِ جنگ میں کیا کرتا ہے دیکھوں
دکھلائیو ہاتھوں سے صفائی کا تماشا
میں پردے سے دیکھونگی لڑائی کا تماشا

پیاسے ہو بہت تمکو جو سمجھائیں ستمگر پانی تمھیں دیں شمر سے مل جاؤ جو آکر
دیجیو یہ جواب اُن کو کہ اے قومِ بد اختر اللہ نے بخشا ہے ہمیں چشمۂ کوثر
سر کٹ کے تنوں سے قدمِ شہ پہ گریں گے
پانی کے لیے قبلۂ عالم سے پھریں گے

غصّہ سے میں کہتی ہوں خبردار خبردار پانی جو پیا دودھ نہ بخشونگی میں زنہار
کیوں جاؤ اُدھر کیا تمھیں دریا سے سروکار وہ بولے کہ دریا کو جو دیکھیں تو گنہگار
دو روز کی جو تشنہ دہانی میں مزا ہے
نہ شہد میں لذّت ہے نہ پانی میں مزا ہے

دونوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر خوش ہو کے یہ فرمانے لگی شاہ کی ہمشیر
میں خوب سمجھتی ہوں کہ ہو عاشقِ شبیرؑ اللہ نے بخشی ہے تمھیں عزت و توقیر
جیتے نہ پھرو گے یہ قسم کھاتی ہوں واری
کمسن ہو بہت اسلیے سمجھاتی ہوں واری

(۲۰۵) مجھکو یہ تمنا ہے کہ وہ کام ہو تم سے — میدان میں عاجز سپہ شام ہو تم سے
سرسبز زمانے میں مرا نام ہو تم سے — حیدرؑ کی طرح رونق اسلام ہو تم سے
پھر بیاہ ہو مہلت جو اجل اب کی برس دے
اللہ انھیں چھوٹی سی تلواروں میں جس دے

کیا خوش ہوں کہیں آ کے جو عباسؑ دلاور — یوں عونؑ و محمدؑ نے الٹ دی صف لشکر
لائیں خبر فتح و ظفر قاسمؑ و اکبرؑ — بانوؑ سے یہ خوش ہو کے کہیں سبط پیمبرؐ
کس سے ہو توقع جو یگانوں سے نہ ہووے
لڑکوں سے ہوا وہ جو جوانوں سے نہ ہووے

کچھ سوچ کے اتنے میں اٹھی بنت یداللہ — بیٹوں کو چلی لے کے حضور شہ ذیجاہ
روتے ہوئے سب اہل حرم بھی ہوئے ہمراہ — عباسؑ سے اس وقت یہ فرمانے لگے شاہ
جھک جھک کے جو سمجھاتی ہوئی آتی ہے زینبؑ
دو بیٹوں کو رخصت کے لیے لاتی ہے زینبؑ

بس اتنے میں آئی شہ مظلوم کی خواہر — بیٹوں کے پکڑ ہاتھ پھری گرد برادر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے سبط پیمبرؐ — صدقے انھیں کیوں کرتی ہو قربان میں تیرے
قسمت سے یہ دو نور نظر پائے ہیں تم نے
ہتھیار انھیں کس لیے بندھوائے ہیں تم نے

واللہ مری جان ہیں فرزند تمھارے — میں برج شرافت کا قمر ہوں یہ ستارے
ہے مجھکو گوارا کوئی ان پر مجھے وارے — یہ اکبرؑ و اصغرؑ سے سوا ہیں مجھے پیارے
ہاتھوں سے نہ کھونا کہ شجاع ازلی ہیں
یہ جوشن بازوے حسینؑ ابن علیؑ ہیں

زینبؑ نے یہ کی عرض کہ اے سید ابرار — کل شام سے ان دونوں نے کھولے نہیں ہتھیار
فخر ان کا کہ تعریف کرے آپ سا سردار — باپ انکے نمکخوار تھے یہ بھی ہیں نمک خوار
بیٹوں میں انھیں آپ نے محسوب کیا ہے
لونڈی نے تو دونوں کو غلامی میں دیا ہے

اس شب کا میں کیا حال کہوں آپ سے بھائی — تشویش سے تا صبح انھیں نیند نہ آئی
میں پہلے کچھ ان دونوں سے کہنے بھی نہ پائی — کی آپ وہ تقریر کہ دل سے مجھے بھائی
ہر بار مرے پاؤں پہ جھک جاتے ہیں دونوں
بھائی ہوں کیا خود مجھے سمجھاتے ہیں دونوں

سو آپ سے میں عرض یہ اب کرتی ہوں بھائی — حضرت بھی گوارا کریں اب ان کی جدائی
ساتھ انکو وطن سے میں اسی واسطے لائی — ہوتی ہے برے دن کے لیے نیک کمائی
کچھ غم نہ کریں آپ یہ محتاج خوشی ہے
ان دونوں کے مرنے کی مجھے آج خوشی ہے

کچھ انکے سوا اور بضاعت نہیں رکھتی — گوہر کوئی جز گوہر عزت نہیں رکھتی
دُنیا میں کسی طرح کی حشمت نہیں رکھتی — محتاج ہوں نادار ہوں دولت نہیں رکھتی
جو کچھ ہے مرے پاس وہ قربان ہے بھائی
دو بیٹے ہیں اور ایک مری جان ہے بھائی

کچھ عذر کیا چاہتے تھے سیدِ ابرار — سر پاؤں پہ نہوڑا کے یہ بولی وہ دل افگار
قرباں گئی اب تو مناسب نہیں تکرار — محروم نہ رکھیئے کہ سخی کی ہے یہ سرکار
بہنوں کی مصیبت میں مدد کرتے ہیں بھائی
نادار کا ہدیہ نہیں رد کرتے ہیں بھائی

(۴۱۵) کس دن کے لیے ہیں یہ غلامانِ وفا کیش — میداں میں شجاعت یہ دکھائینگے کم و بیش
اب آپ نہ اس امر میں کچھ کیجیے پس و پیش — نانا سے نہ شرمندہ ہو یہ خواہر دل ریش
آفاق میں عزت رہے محتاج غنی ہو
وہ بات نہ کیجیے کہ مری دل شکنی ہو

یہ سُن کے بہت روئے شہ صابر و شاکر — فرمایا بہن خیر میں ہوں صبر کو حاضر
دیجا یہ کریں کوچ کہ ہم بھی ہیں مسافر — زینبؑ ترے بچوں کا خدا حافظ و ناصر
منظور یہ تھا ہوں نہ جدا ساتھ سے میرے
دُرّ اور جواہر یہ چلے ہاتھ سے میرے

زینبؑ نے اشارا کیا آداب بجا لاؤ		دو گرد پھرو ماموں کے سر پاؤں پہ نہوڑاؤ
حضرت نے کہا ہاتھوں کو پھیلا کے ادھر آؤ		میں پیار تو کر لوں مری چھاتی سے لپٹ جاؤ
گھر باپ کا ویران کیے جاتے ہو پیارو
زینت مرے لشکر کی لیے جاتے ہو پیارو

وہ پاؤں پہ گرنے کے لیے دوڑ کے آئے		شبیرؑ نے سر دونوں کے چھاتی سے لگائے
منہ پھیر کے اشک آنکھوں سے زینبؑ نے بہائے		خیمے سے چلے شاہ کی ہمشیر کے جائے
کیا دل تھا نہ روتی تھی نہ گھبراتی تھی زینبؑ
سمجھاتی ہوئی ساتھ چلی جاتی تھی زینبؑ

ڈیوڑھی پہ جو پہونچی تو کہا عونؑ سے رو کر		ٹھہرو کہ پھرا لوں تمھیں گرد علی اکبرؑ
چھوٹے سے کہا بھول گئے کیا مرے دلبر		تم جا کے نہ آئے نثار علی اصغرؑ
لازم نہیں وہ بات کہ ماں جس میں خفا ہو
صدقہ انھیں دیتی ہوں کہ رد ان کی بلا ہو

ہمشکل پیمبر پہ ہوا عون تو قربان		چھوٹے نے کہا دست ادب جوڑ کے اس آن
اماں ہمیں رخصت کی خوشی میں رہا دھیان		اولاد یہ ماموں کے تصدق ہے مری جان
لاش آئے جو رن سے تو نہ دم ماریو اماں
گہوارۂ اصغرؑ پہ ہمیں واریو اماں

یہ کہہ کے برآمد ہوئے خیمے سے وہ مہرو   اُس وقت تو دل پر نہ رہا شاہ کا قابو
بس بیٹھ گئے خاک پہ بہنے لگے آنسو   چلّاتی تھی پردہ سے لگی زینبؓ خوشخو
زہراؓ کے پیاسو تمھیں اللہ کو سونپا
حیدرؓ کے نواسو تمھیں اللہ کو سونپا

ماں صدقے بزرگوں کا چلن بھول نہ جانا   سیکھے ہو جو کچھ جنگ کے فن بھول نہ جانا
آدابِ شہنشاہِ زمن بھول نہ جانا   جو میں نے کہا ہے وہ سخن بھول نہ جانا
وہ کہتے تھے جرأت تو خداداد ہے اماں
تشویش نہ کیجیے ہمیں سب یاد ہے اماں

یہ کہہ کے رکابوں میں قدم دونوں نے ڈالے   گھوڑوں پہ ہوئے جلوہ نما گیسووں والے
تن تن کے جو کاندھوں پہ رکھے بچّوں نے بھالے   ماں تکتی تھی ہاتھوں سے کلیجے کو سنبھالے
رہوار کو ترجیح تھی چلنے میں صبا پر
دو چاند کے ٹکڑے نظر آتے تھے ہوا پر

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے دونوں وہ گلرو   دل ماں کا یہ اُمڈا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اُٹھائیں تو فرس بن گئے آہو   پھر دیکھنے پائی نہ اُنھیں زینبؓ خوشخو
میدان کی طرف یاس سے ماں دیکھ گئی تھک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے | گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
غُل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے | افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حُسن گراں مایہ ہے اُن کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے اُن کا

وہ چاند سے مُنھ اور وہ گیسوئے معنبر | وہ بدر سے رخسار ہے قدرتِ داور
سب شان ید اللہ کی سب شوکتِ حیدرؑ | چتون وہی غصہ وہی سارے وہی تیور
یہ دبدبہ کس صاحبِ شمشیر نے دیکھا
دیکھا جسے معلوم ہوا شیر نے دیکھا

تھے حُسن میں اُن دونوں کے آئینہ رو ایک | پیشانی و ابرو و سر و صدر و گلو ایک
شان ایک شکوہ ایک جو رنگ ایک تو بو ایک | دل ایک جگر ایک جسد ایک لہو ایک
اور اُن سا کوئی غرب سے تا شرق نہیں ہے
دو ٹکڑے ہیں اک سیب کے کچھ فرق نہیں ہے

پڑھنے لگے اشعارِ رجز جب وہ دلاور | اس درجہ فصاحت فصحا رہ گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لیے تیغِ دو پیکر | ہر مصرعۂ برجستہ میں تھی تیزیِ خنجر
دے کون جواب اُن کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ شجاعانِ عرب کا

اظہار نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام | سب پڑھنے لگے صل علیٰ صاحبِ اسلام
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام | دل ہل گئے تھرّانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے
مجرے کو علم جھک گئے سب فوجِ شقی کے

آغاز تھا ذکرِ شرفِ حضرتِ شبیرؑ | ڈنکے پہ اُدھر چوب لگی چلنے لگے تیر
(۲۴) اُسوقت بڑے بھائی نے کی چھوٹے سے تقریر | تلوار علم کیجیے اب کس لیے تاخیر
کھنچیے تو جدا ہو کے ستمگاروں میں جائیں
اسواروں میں ہم آپ کمانداروں میں جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی | تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی | سر کرتے ہیں سب کونسی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اُتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ | تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ | ہم سینہ سپر تم پہ ہوں تم ہم کو بچاؤ
ہم شیر ہیں پہ رستم کا بھی منھ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر — بس کھینچ لیے نیمچے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگا لشکر — نیزوں کے نیستاں میں در آئے وہ غضنفر
برباد کیا رد میں سواروں کو دبا کے
رہوار بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہوا کے

ت آئی اُدھر نیمچے دونوں جدھر آئے — جب ہاتھ بڑھا پاؤں پہ کٹ کٹ کے سر آئے
تا سینہ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے — خالی نہ پھرے جس پہ گئے خوں میں بھر آئے
ہر نیمچہ بجلی تھا ستمگاروں کے حق میں
ڈوبے ہوئے تھے دو سیہ نو خوں کے شفق میں

گھوڑے تھے چھلاوا کبھی یاں تھے کبھی واں تھے — بجلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
ل تھے جو سبکرو تو اُدھر گرم عناں تھے — مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے
ہو سکتی تھی مچھلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے جو نکل جاتے تھے سن سے

جیت لشکر کو پریشاں کیا دم میں — جو فوج کی جاں تھے انھیں بیجاں کیا دم میں
اروں سے جنگل کو نیستاں کیا دم میں — سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں
بیدست تھے علموں کو جو بے دین لیے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لیے تھے

وہ چھوڑ کے تازی کو سواروں میں در آیا ‏ دم بھر میں پیادوں کو یہ پامال کر آیا
جب شیر سا پہونچا وہ اُدھر یہ اِدھر آیا ‏ جان آ گئی جب بھائی کو بھائی نظر آیا
بچ بچ کے نکلتے تھے جو نیزوں کے تلے سے
اک بھائی لپٹ جاتا تھا بھائی کے گلے سے

کچھ بھائی سے بڑھکر جو وغا کرتا تھا بھائی ‏ بچ جانے کی بھائی کے دعا کرتا تھا بھائی
حق بھائی کی اُلفت کا ادا کرتا تھا بھائی ‏ ہر وار پہ بھائی کی ثنا کرتا تھا بھائی
تم سا نہیں صفدر کوئی واللہ برادر
کیا خوب لڑے سلمک اللہ برادر

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب ‏ بھائی میں بھگادوں ابھی انکو جو ملے آب
اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب ‏ سینہ میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

(۴۴۰) کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام ‏ ہے خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام ‏ غش ہم کو بھی آجائیگا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستمگاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں درِ خیمہ پہ کھڑی ہیں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے جنگل میں دو ماہ — پردے میں کھڑی تکتی تھی زینبؑ سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہِ ذیجاہ — اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

عباسؑ نے کی عرض کلیجا ہے دوپارا — انکو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے نہ مجھکو نہ اکبرؑ کو پکارا — جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارا
حضرت کی قسم دے کے میں سمجھاؤں گا انکو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا انکو

حضرت نے کہا صاحبِ عزت ہیں وہ دونوں — لختِ جگرِ شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغامِ نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں — واللہ بڑے صاحبِ ہمت ہیں وہ دونوں
ڈو لاکھ تو کیا ہیں جو کروڑوں میں گھرینگے
بے جان دیے وہ نہ پھرے ہیں نہ پھرینگے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسمِ ذیجاہ — اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ — لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
رہتے یہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لاتا ہوں اعدا کو بھگا کر

۴۴۷) گھبرا کے در خیمہ سے زینبؑ نے پکاری　　سر ننگے ہیں بچوں کی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری　　بتلاؤ کہیں ڈالی ہوں عاشق کی تمہاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

میداں میں ہے کیا اور بجز نیزہ و شمشیر　　مر جاؤں گی زخمی ہوے گر قاسمؑ دلگیر
دل کس کا چھدے تم کو لگا ہے جو کوئی تیر　　سمجھاؤں میں صدقے گئی کیوں روتے ہیں شبیرؑ
باقی ہے اگر زیست تو پھر آئیں گے دونوں
غم کس لیے کیا ہوگا جو مر جائیں گے دونوں؟

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی　　سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولتِ اولاد نشائی تو لٹائی　　کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

(بیان) یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے　　لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں نے مارے　　وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کے اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھیں گے

یہ سنتے ہی تھرانے لگے حضرتِ عباسؑ — گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی پہ تھیں پاس — سب نے کہا نوشہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہِ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا رانڈوں میں برپا — زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازے کا پردا ۵۰
چلائی ارے بچّی رہو غُل ہے یہ کیسا — بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا
ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینبؑ کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دلِ زار — تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہِ ابرار — مہماں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

ٹکڑے ہوا سینے میں دلِ سبطِ پیمبرؐ — ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہِ مضطر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آ کر — بالیں پہ حضور آئے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیّدِ ذیجاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدارِ شہنشاہ کو دیکھو

سُنکر یہ صدا عشق سے جو چونکا وہ دل افگار   دونوں نے رکھا سر قدمِ شاہ پہ اک بار
اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار   دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی
سو بیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے وہ پیارے   بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے
سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیرؑ پکارے   ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمھارے

پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں
آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

شہادت حضرت قاسم رضؓ

جب حضرت زینبؓ کے پسر مر گئے دونوں ۔۔۔ تھا شور کہ پیاسے لبِ کوثر گئے دونوں ۵۵
چھوٹے تھے مگر نام بڑے کر گئے دونوں ۔۔۔ دربارِ محمدؐ میں برابر گئے دونوں

زہراؓ کی طرح عاشقِ اولاد تھی زینبؓ
بیٹوں کا تو ماتم تھا مگر شاد تھی زینبؓ

دو بیٹوں کے مرنے کی یکا یک خبر آئی ۔۔۔ نہ روئی نہ ماتم کیا نہ خاک اُڑائی
مُنہ سے نہ کہا یہ کہ لُٹی کس کی کمائی ۔۔۔ پوچھا تو یہ پوچھا کہ سلامت تو ہیں بھائی

سمجھی نہ کہ دنیا سے یہ پیارے گئے کس کے
یہ بھی نہ کہا لاڈلے مارے گئے کس کے

ان باتوں پہ زینبؓ کی حرم کرتے تھے ماتم ۔۔۔ میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم
کچھ مشورہ تھا اکبرؓ و عباسؓ میں باہم ۔۔۔ قاسمؓ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم

پر شدتِ گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
مُنہ ماں کا کبھی تکتے تھے اور گاہ دولھن کا

مادر کا اشارا تھا کہ کیا قصد ہے واری
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلھن کرتی ہے زاری
کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری
کچھ آپ سفارش کریں اب اُن سے ہماری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذن وغا دیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

فق ہو گئی ماں سُن کے یہ فرزند کی تقریر
بانو نے کہا ہائے مرے بچے کی تقدیر
خاموش تھی گھونگھٹ میں دلھن صورت تصویر
دولھا کا سخن سُن کے کلیجے پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ مُنھ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

(۴۶۰) دولھا نے جو دیکھا کہ دلھن غم سے ہے مضطر
چلنے لگے سینہ پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور
جھک کر کہا زانو سے اُٹھاؤ تو ذرا سر
شدّت نہ رو تمھیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمھیں گھر سے نکلتے
سائے کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
اس گل سے کف پائے سدا آنکھوں کو ملتے
کیا کیجئے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
تو بار ہوں صدقے تو نہ حق اُن کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

انصاف کرو تم کہ عجب سخت گھڑی ہے
عمو تو اکیلے ہیں اُدھر فوج کھڑی ہے
دُنیا میں کسی پر بھی مصیبت یہ پڑی ہے
دل پاس تمہارے ہے اُدھر جان لڑی ہے
کیا جانیے کیا وقت اجل ہوئے گی مشکل
رخصت ہمیں اب دوگی تو حل ہوئے گی مشکل

اک جان ستمکش پہ عجب رنج و تعب ہے
سنتا ہوں کہ عباسؑ کو رخصت کی طلب ہے
یاں پاس محبت ہے تو واں جانے ادب ہے
فرقت بھی قیامت ہے نہ جانا بھی غضب ہے
ہوں کس سے جدا کس پہ تصدق کریں سر کو
اُلفت تو اُدھر کھینچتی ہے موت اِدھر کو

جس وقت سُنی درد کی تقریر یہ ساری
تا دیر تو بولی نہ دُلھن غم کی ماری
دولھا نے رکھا پاؤں پہ سر جب کئی باری
آہستہ کہا آہ یہ تقدیر ہماری
سمجھی میں بس اب مجھکو نہ سمجھائیے صاحب
کیا زور مرا خیر چلے جائیے صاحب

ڈیوڑھی پہ یہ تقریر کھڑے سنتے تھے سرورؑ
عباسؑ سے فرمایا کہ اے جان برادر
قاسم سے بھی تو ہمکو چھڑاتا ہے مقدر
رانڈ ہوتی ہے اک رات کی بیاہی ہوئی دختر
اب صبر ہو کیونکر دلِ مضطر کو ہمارے
بھائی کی بھی اولاد چلی گھر سے ہمارے

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ | کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجیے شاہ
لپٹا کے گلے سے اُسے شبیر نے کی آہ | فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر چچا بیکس و مجبور ہے بیٹا
جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

دی سن کی رضا شاہ نے جب ابن حسنؑ کو | اک عید ہوئی مرنے کی اُس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمے سے رن کو | اعدا نے کہا دیکھ کے اُس رشک چمن کو
نورِ حسنیؑ چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسد اللہؓ یہ جواں ہے

شمعِ حرم لم یزلی تھا قدِ بالا | پایا یہ کہاں ماہِ دو ہفتہ نے اُجالا
خلتے پہ کمیں بر میں زرہ ہاتھ میں بھالا | اک حسن کی تصویر تھا وہ گیسوؤں والا
نقشہ کسی انساں کو اگر دے تو حق ایسا
عالم کے مرقع میں نہیں اک ورق ایسا

حیراں تھا لشکر یہ فلک ہے کہ بشر ہے | گیسو ہے کہ ہالہ ہے جبیں ہے کہ قمر ہے
ابروؤں کی بیت ہے یا حسن کا گھر ہے | پلکیں ہیں کہ سر پنجۂ شہباز نظر ہے
ہاں دیدۂ آہو بھی نگاہوں سے گرے ہیں
آنکھیں ہیں کہ دو شیر نیستاں میں کھڑے ہیں

حسنِ حسنؓ و شانِ حسینیؑ ہے نمودار کیا بیاہ کے جوڑے پہ بھلے لگتے ہیں ہتھیار
ہے دستِ حنائی میں عجب شان سے تلوار کرتی ہے زرہ خوبیِ اندام کو اظہار

باندھا ہے کمر بند شہ عقدہ کشا کا
عمامہ ہے سر پر حسنؓ سبز قبا کا

فانوس میں ہے شمع کہ ہے زخت بدن میں رخسار دلہن پہ گیسوئیں کہ ہے چاند گہن میں
ہر شخص کی آنکھوں کو چکا چوند ہے رن میں سہرے میں یہ چہرہ ہے کہ سورج ہے کرن میں

تڑپے گا وہ تربت میں جگر بند ہے جس کا
کیا گزرے گی اُس ماں پہ یہ فرزند ہے جس کا

دریا کی طرح فوج کو جنبش ہوئی اکبار تیغوں کی اُٹھی موج میانِ صفِ کفار
ڈھالوں کا ہوا ابرِ سیہ رن میں نمودار بدلی جو ہوا پڑنے لگی تیروں کی بوچھار

چمکا وہ جری تیغ بکف اہلِ جفا میں
بجلی سی لگی کوندنے ڈھالوں کی گھٹا میں

اک برق اجل فوجِ ستمگار پہ آئی تیغ آئی کہ آفت سرِ کفار پہ آئی
عاری کیا اُسکو بھی جو تلوار پہ آئی دو ہو گیا اسوار تو رہوار پہ آئی

رہوار کے نہ گرا تھا ابھی شبرنگ کے نیچے
یہ زین کے اوپر سے گئی تنگ کے نیچے

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمتِ عالی حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی
تلوار نے آفت سرِ کفّار پہ ڈالی لڑنے کے لیے تیغ و سپر جس نے سنبھالی
تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ زمیں پر
دو ٹکڑے نظر آئے برابر سرِ زمیں پر

اک حملے میں آخر ہوئی پہلے صفِ اوّل دو ہاتھ چلے تھے کہ اُدھر پڑ گئی ہلچل (۴۷۵)
اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل سر کٹ گئے یہ برچھیوں والوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھرے تھے
اک نیزہ[لہ] سر اُن لوگوں کے کٹ کٹ کے گرے تھے

سہمے یہ کماندار کہ رُخ جنگ سے پھیرا چلائے کہ حلقے میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست تعبصنہ میں وہ جانباز کماں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیراں عمرِ سعد ستمگر پیہم یہ خبردار خبر دیتے تھے آ کر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر دریا تلک آ پہنچا ہے لختِ دلِ شبیرؑ
اُس شیر غضبناک کو روکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

لہ یعنی ایک نیزے کے فاصلہ پر ۱۲

کس طرح سے اس صاعقہ کردار کو روکیں　　کس ڈھال پہ شمشیر شرربار کو روکیں
سو بجلیاں گرتی ہیں گر اک وار کو روکیں　　تلوار کو روکیں کہ وہ رہوار کو روکیں
دونوں کا بدن آب اور آتش سے بنا ہے
اک برق جہندہ ہے تو اک سیلِ فنا ہے

گھبرا کے کہا اُس نے کہ ارزق کو بلا لا　　آیا وہ جفاکار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا　　گھوڑے کو مگر تو نے پرے سے نہ نکالا
جا کر کوئی اُس صفدر و جرّار کو مارے
نزدیک ہے آکر کسی سردار کو مارے

ہر سال تجھے ملتا ہے اسپ و زر و انعام　　سردار کے کام آ کہ شجاعوں کا یہ ہے کام
شہرہ تری شمشیر کا ہے روم سے تا شام　　دولھا کو مٹا دے تو بڑا ہوگا ترا نام
شور آب دمِ تیغ کا اُسکے لبِ جو ہے
گریاں تلک آیا تو نہ پھر میں ہوں نہ تو ہے

یوں کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے وہ مغرور　　لڑکے سے لڑوں میں یہ تری عقل سے ہے دور
اس فوج میں تو گو کہ حکومت پہ ہے معمور　　یہ ننگ کسی طرح نہ ہوگا مجھے منظور
مارا ہے ہزاروں کو مری دھاک ہے سب میں
ہو جاؤں گا بدنام شجاعانِ عرب میں

مجھسا نہیں عالم میں کوئی اور جواں مرد ہوں رستم و سہراب و نریماں کا ہم آورد
جلاّدِ فلک کا ہے مرے خوف سے مُنھ زرد پھینکوں جسے میداں میں زمیں سے نہ اُٹھے گرد
پھٹ جائے کلیجہ جو سناں گیو کو ماروں
سُرمہ ہو اگر گرزِ گراں دیو کو ماروں

تابندہ ہو رستم مرے آگے یہ نہیں تاب پنجہ سے جو پکڑوں نہ چھٹے گردنِ سُہراب
چھیدوں دلِ ارجن جو کروں تیر کو پرتاب تلوار جو کھینچوں تو جگر شیر کا ہو آب
اس طفل سے کیا جنگ کا آہنگ کروں میں
میداں میں حسینؑ آئیں تو واں جنگ کروں میں

بولا پسرِ سعد کہ اس طفل کو پہچان شبیرؑ کا یہ فرزند ہے لڑکا نہ اسے جان
رہتا ہے لڑکپن سے انھیں جنگ کا ارمان جانباز ہیں مرکر بھی نہیں چھوڑتے میدان
جب تیغ کھنچی ان کی تو سر تن سے جُدا ہیں
یہ ہاشمی و مطلبی قہرِ خدا ہیں

(۴۸۵) سرکش کو قدم آگے بڑھانے نہیں دیتے سوفار کو چلّے سے ملانے نہیں دیتے
لڑنے میں سپر چہرے پہ لانے نہیں دیتے بھاگے تو کہیں بھاگ کے جانے نہیں دیتے
یوں آتے ہیں دشمن پہ یہ گھوڑے کو ڈپٹ کر
شیر آتا ہے جس طرح سے آہو پہ جھپٹ کر

ازرق نے کہا گرچہ تری راست ہے گفتار
پر میں تو نہ لڑکے پہ کبھی کھینچوں گا تلوار

قتل اسکا ہے منظور تو ہیں میرے پسر چار
ردمیں تن زوہ آور نام آوروجرار

ماہر ہے ہر اک میری طرح جنگ کے فن کا
سر کاٹ کے لے آئیں گے فرزند حسنؑ کا

یہ کہکے بڑے بیٹے سے ظالم نے کہا جا
ہاں تیغ سے اس طفل کا سر کاٹ کے لے آ

تو زور میں بیمثل شجاعت میں ہے یکتا
یہ سن کے جفاجو نے لیا ہاتھ میں نیزا

جولاں کیا گھوڑے کو پرے سے جو نکل کے
بھاگے ہوئے بولے کہ چلا منھ میں اجل کے

نیزے کا ستمگار نے آتے ہی کیا وار
قاسم اسے رد کرکے پکارے کہ خبردار

پھر گھوڑے کو چمکا کے جو آیا وہ جفاکار
بجلی سی ادھر سے بھی چلی تیغ شرربار

روکے کسے ظالم کبھی یاں تھی کبھی واں تھی
نیزے کو جو دیکھا تو نہ بوڑی نہ سناں تھی

تلوار کا ظالم نے کیا وار جھپٹ کر
خالی دیا اس وار کو نوشاہ نے ہٹ کر

دولھا نے جو حربہ کیا گھوڑے کو ڈپٹ کر
دستانے بھی ساعد بھی گرے تیغ سے کٹ کر

نے تیغ نہ پنجہ نہ کلائی نظر آئی
اک ہاتھ میں ہاتھوں کی صفائی نظر آئی

(۴۹۰) سر پر سے گرا خود ہٹا وہ جو جھجک کر — تھے بال بڑے کھل گئے چہرہ پہ لٹک کر
قاسمؓ نے لپیٹا اُسے پنجے میں لپک کر — سر سے ہوا اونچا تو دیا گھوڑے پہ چکر
سمجھا تھا وہ کچھ چرخ نے کچھ اور دکھایا
گردش نے زمانے کی نیا دور دکھایا

ازرق کو زمانہ تہ و بالا نظر آیا — دن چشم ستمگار میں کالا نظر آیا
سب کو رخِ قاسمؓ کا اُجالا نظر آیا — یہ چاند نظر آئے وہ ہالا نظر آیا
حیران تھے قوت پہ ملک ابن حسنؓ کی
اس زور سے پٹکا کہ زمیں ہل گئی رن کی

اک بھائی کے مرتے ہی بڑھا دوسرا بھائی — اُس نے بھی لڑائی میں بہت جان لڑائی
مہلت نہ مگر ہاتھ سے نوشاہ کے پائی — آیا وہ اُدھر سے کہ اِدھر سے اجل آئی
ڈھونڈھا کیے قاسمؓ بھی کہ کیا ہو گیا دشمن
اک برق سی چمکی کہ فنا ہو گیا دشمن

فرزند سوم فوج سے نکلا صفتِ شیر — تھا بھائیوں کے غم سے جہاں آنکھوں میں اندھیر
دولھا سے رہی ردو بدل نیزوں کی تا دیر — تھا گرچہ زبردست پہ قاسمؓ نے کیا زیر
وار اپنا یہ کرتے تھے جو وار اسکا بچا کر
یہ جاتا تھا غصے سے وہ ہونٹوں کو چبا کر

لب پر جو اُدھر بے ادبانہ سخن آیا		سُنتے ہی ادھر غیظ میں ابنِ حسنؑ آیا
اُس وقت کوئی توڑ نہ ظالم کو بن آیا		بالائے دہاں نیزۂ دنداں شکن آیا
جاں بہرِ سفر تن کی سرا سے نکل آئی
نیزے میں زباں جھد کے قفا سے نکل آئی

نیزے کو دبایا تو فرس سے اُبھر آیا		سیدھا جو کیا ہاتھ تو بالائے سر آیا ۵۱
مچھلی سا پہر بھر میں تڑپتا نظر آیا		قاسمؑ نے کہا نخلِ دغا میں ثمر آیا
تلوار کو اُمت کے جو سردار پہ کھینچا
خلاقِ دو عالم نے اُسے دار پہ کھینچا

چوتھے کی طرف دیکھ کے قاسمؑ یہ پکارے		تو آ کہ وہ تینوں تو جہنم کو سدھارے
تلوار علم کر کے چلا طیش کے مارے		تھے ڈھنگ اُدھر جنگ یداللہ کے سارے
فرصت بھی نہ حربے کی ملی دشمنِ دیں کو
اک ضرب میں دو کر کے کیا چار لعیں کو

چاروں پسرِ ازرق کے نظر آئے جو بیدم		اک آگ عناصر میں بھڑکنے لگی اُس دم
طاری ہوا غصہ نہ ملی فرصتِ ماتم		باندھا کمرِ عُس کو زنجیر سے محکم
بیٹھے ہوئے سر پر جو نہ قتالِ عرب ہے
آنکھیں ہوئیں دو کاسۂ خوں جوشِ غضب سے

زیادہ ستمگار سجے اسلحہ تن پر — شانے پہ کماں رُخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورتِ اژدر — بر میں تو زرہ اور کمرکس میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

نیزہ صفتِ مار زباں منہ سے نکالے — ترکش تھا کہ بانبی میں نظر آتے تھے کالے
تلوار کا منہ ایسا کہ فولاد کو کھالے — ڈھال ایسی کہ جو کوہ کے دامن کو چھپالے
گرز ایسا فلک خاک کا پیوند ہو جس سے
چار آئینہ وہ تیغ کا منہ بند ہو جس سے

(۵۰۰) جنگھاڑ کے رن میں صفتِ دیو پکارا — کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
نوشہ نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا — الفت ہو جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تو ازرقِ شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

پرکار سے میدان میں پھرنے لگے مرکب — رد کر دیا نوشاہ نے وار اُس نے کیا جب
بندھتا تھا کوئی بند نہ بنتا تھا کوئی ڈھب — جرأت میں یداللہؑ تھے اور وہ مرحب
اُٹھتے تھے ستوں گرد کے میدانِ بلا میں
چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں سے ہوا میں

نیزوں کی ہوئی رد و بدل اُن میں برابر — تھک تھک گئے پسپا نہ ہوا وہ نہ یہ سر بر
گھوڑے بھی تگ و پو سے پسینے میں ہوئے تر — تھے غیظ میں نوشاہ تو غصّے میں ستمگر

وہ گونجتا تھا شیر کے مانند اُدھر سے
یاں یا اسد اللہ کے نعرے تھے جگر سے

قاسمؑ پہ اُٹھاتا تھا وہ جب نیزۂ خونخوار — گرتے تھے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار
اُٹھتے تھے سنبھل کر تو یہ چلّاتے تھے ہر بار — عمو ترے قربان مری جان خبردار

طاقت تو ہوگی تمہیں تشنہ دہنی سے
سینے کو بچائے رہو نیزے کی انی سے

نیزے تھے کہ دو مار نکالے تھے زبانیں — جن سے نہ بچیں رستم و سہراب کی جانیں
چلّے تھے کہ شانوں سے نہ سرکی تھیں کمانیں — لڑ لڑ کے گریں خاک پہ نیزوں کی سنانیں

تھی زد جو کڑی ٹوٹ گئیں ڈانڈیں بھی لڑ کر
غصّے سے مقابل ہوئے تیغوں کو پکڑ کر

قاسم کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر — مشہور ہے دستِ ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر — اے طفلِ حسنؑ اب نہ بچے گا کسی تدبیر

دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مور ہے کمزور ہے میں پیلِ دماں ہوں

قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیر دو دستی   اک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی   دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو اُدھر ہے تو اِدھر شاہِ نجف ہے
شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

بل کھا کے ستمگار نے غصے سے کہا ہاں   قاسمؑ نے کہا آ یہی گو ہے یہی میداں
بولا یہ اُٹھا تیغ کو وہ دشمنِ ایماں   لے وار مرا روک تو اے کودکِ ناداں
تھی پاس سپر بھی پہ نہ اُس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار پہ تلوار کو روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو دکھائی   ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستمگار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی   ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اُٹھائی
احسنت کا غُل فوج کے انبوہ سے اُٹھا
معلوم ہوا ابرِ سیہ کوہ سے اُٹھا

یاں سر پہ چمک کر جو وہ برقِ اجل آئی   شانِ غضبِ خالقِ عز و جل آئی
گردن سے جو ترچھی گئی زیرِ بغل آئی   کھینچا جو بغل سے تو کمر سے نکل آئی
پہلے تو سلامت ستم آرا نظر آیا
گھوڑے سے گرا جب تو دو پارا نظر آیا

بجلی سی اُٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر   للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کے لیے جھک گئے شبیرؑ   شادی سے ہوا سُرخ رُخِ اکبرِ دلگیر
دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

سچ کہتے ہیں شادی و غم خلق میں توام   معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم   تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم
تیر آتے تھے سینہ پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر

زخموں کا لگا خوں رکابوں سے ٹپکنے   طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لیے تن میں لگی روح پھڑکنے   مڑ مڑ کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینے پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پر
تیور اکے جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پر

عمو کو صدا دی کہ چچا جان خبر لو   ہوتا ہے غلام آپ پہ قربان خبر لو
دُنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان خبر لو   تکلیف نہ دیتا مگر اس آن خبر لو
ذُرّیتِ حیدرؑ کی یہ توقیر ہوئی ہے
پامال ہمیں کرنے کی تدبیر ہوئی ہے

اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈھنے سرور — پامال ملے قاسمؓ نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر — رو کر پسرِ فاطمہؓ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تنِ صد پاش سے بیٹے
چلّا کے حسینؑ ابن علیؓ لاش سے لپٹے

شہادت حضرتِ عباسؓ

جب لاشۂ قاسم کو علمدار نے دیکھا — قبضہ کی طرف غیظ سے جرّار نے دیکھا (۱۵)
مُنھ بھائی کا رو کر شہِ ابرار نے دیکھا — کی عرض بڑا داغ نمک خوار نے دیکھا

تیغوں سے عجب سروِ رواں کٹ گیا آقا
واللہ کہ دل زیست سے اب ہٹ گیا آقا

بےچین کیا دل کو غمِ راحتِ جاں نے — کیا پیاس کی تکلیف سہی غنچہ دہاں نے
دنیا سے کیا کوچ عجب سروِ رواں نے — لوٹا یہ چمن فصلِ بہاری میں خزاں نے

ہم خلق سے پہلے نہ سفر کر گئے افسوس
جینے کے جو قابل تھے وہ یوں مر گئے افسوس

کیا کیا یورش فوجِ ستم دیکھ رہے ہیں — کن تازہ نہالوں کو قلم دیکھ رہے ہیں
دل کو تہِ شمشیر دو دم دیکھ رہے ہیں — یہ ظلم ہے اور آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں

کس طرح نہ سینے میں اُلٹ جائے کلیجا
پتھر پہ یہ صدمہ ہو تو پھٹ جائے کلیجا

سولا ئم لشکر شر کہہ نہیں سکتے تلواروں سے کٹتا ہے جگر کہہ نہیں سکتے
دل غم سے لہو ہو گیا پر کہہ نہیں سکتے خوں آنکھوں میں اترا ہے مگر کہہ نہیں سکتے

دُنیا غمِ نوشاہ میں اندھیر ہوئی ہے
کیا جانے مرے مرنے میں کیا دیر ہوئی ہے

یاد آتی ہے بھائی کی وصیت مجھے ہر بار قدموں سے دمِ مرگ جو لپٹا تھا یہ غمخوار
فرمایا تھا خادم سے برادر نے بہ تکرار عباسؑ دلاور مرے قاسمؑ سے خبردار

جو اس پہ بلا آئے وہ رد کیجیو بھائی
ہر دُکھ میں بھتیجے کی مدد کیجیو بھائی

(۵۲۰) تلوار چلی دل پہ بھتیجے کے الم سے ٹپکا کیا چہرے پہ لہو دیدۂ نم سے
کچھ بس نہ چلا حکمِ شہنشاہ اُمم سے دیکھا کیے کیا خوب حفاظت ہوئی ہم سے

قاسمؑ کے عوض تیر و سناں کھا نہ سکے ہم
پامال بھتیجا ہوا اور جا نہ سکے ہم

ناگاہ یہ میداں سے پکارے کئی گمراہ شاید کہ ہوئی ختم سپاہِ شہِ ذیجاہ
نعرہ کیا اکبرؑ نے مثال اسد اللہ باقی ابھی دو شیر ہیں اے لشکرِ روباہ

تولے ہوئے شمشیرِ دو دم آتے ہیں رن میں
ہشیار کہ اب جنگ کو ہم آتے ہیں رن میں

سر دینے کو آئے گا مرے بعد وہ جرّار　　جو لشکرِ اللہ و نبیؐ کا ہے علمدار
بازوئے شہِ دیں خلفِ حیدرِ کرّارؑ　　کونین میں مشہور ہے جس شیر کی تلوار

وہ سیلِ فنا خوں میں ڈبو جائے گی سب کو
حیدرؑ کی لڑائی نظر آ جائے گی سب کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئے عباسؑ خوش اطوار　　سمجھے کہ چلا مرنے کو شبیرؑ کا دلدار
شبیرؑ کے قدموں پہ گرے آن کے یکبار　　حضرت نے کہا کیا ہے ارادہ مرے غمخوار

کی عرض کہ جینے سے دل اب سیر ہے آقا
خادم کی سرافرازی میں کیا دیر ہے آقا

شہزادۂ عالم کی سنی آپ نے تقریر　　ہے پہلے علمدار سے مرجانے کی تدبیر
میں ذبح ہوا جاتا ہوں بے خنجر و شمشیر　　للہ انھیں روکیے یا حضرتِ شبیرؑ

موقع نہیں مرنے کا ابھی ان کے لیے ہے
آقا یہ غلام آپ کا کس دن کے لیے ہے

میداں میں یہ مرنے کیلئے جائیں میں دیکھوں　　تیغ و تبر و تیر و سناں کھائیں یہ دیکھوں
مقتل سے انھیں آپ اٹھا لائیں یہ دیکھوں　　شہزادیاں خیمے سے نکل آئیں یہ دیکھوں

آقا کی یہ سر کو کوئی یوں کھو نہ سکے گا
یہ صبر تو خادم سے کبھی ہو نہ سکے گا

شہ بولے نہیں شاق ہے دونوں کی جُدائی — گر ایک بھی بچھڑا تو ہماری اجل آئی
پاؤں گا کہاں تم نے اگر جان گنوائی — فرزند تو ممکن ہے پہ ملتا نہیں بھائی
اصغرؑ ہے اگر اکبرؑ مہرو نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملے گا

جس دن سے حسنؑ گلشنِ ہستی سے سدھارے — واللہ کہ جینے کے مزے اُٹھ گئے سارے
جب تم کو جواں حق نے کیا اے مرے پیارے — زور آ گیا ٹوٹے ہوئے بازو میں ہمارے
قوت تمہیں دل کی تمہیں طاقت ہو جگر کی
کیونکر تمہیں کھوؤں کہ نشانی ہو پدر کی

ہوتا ہے بڑا بھائی کو بھائی سے سہارا — بھائی بھی وہ بیٹوں سے زیادہ جو ہو پیارا
چھوڑا انہیں تم نے تو کبھی ساتھ ہمارا — تکلیف کرو چند نفس اور گوارا
گھبراؤ نہ دنیا سے سفر ساتھ کریں گے
بچپن سے سدا ساتھ رہے ساتھ مریں گے

سر دینے کی اکبرؑ کو جو عجلت ہے تو جائیں — ہم خوش ہیں بھلا جا کے رضا ماں کی تو لائیں
گر اُن کو گوارا ہو تو زینبؑ کو رلائیں — جنت میں پہنچ کر کہیں راحت بھی تو پائیں
دو دن سے مرے ساتھ گرفتار محن ہیں
اب اُن کو نہ روکو کہ بہت تشنہ دہن ہیں

سُن کر یہ سخن رونے لگے حضرتِ عباسؓ کی عرض کہ خیراب ہمیں رخصت سے ہوئی یاس
پیچھے وہ رہے ہوے علم فوج کا جس پاس تقدیر کرے یوں نہ کسی شخص کو بے آس
بابا سے ندامت مری قسمت میں لکھی ہے
زہراؓ سے خجالت مری قسمت میں لکھی ہے

فرمائیں گی عباسؓ نے جان اپنی بچائی یہ کون کہے گا کہ رضا رن کی نہ پائی
جو آپ کی مرضی مرا کیا زور ہے بھائی اچھا علی اکبرؓ کی بھی دیکھیں گے جدائی
جینے کی تو اب دل سے خوشی فوت ہے آقا
یہ زیست نہیں میرے لیے موت ہے آقا

تکرار کروں آپ سے یہ کیا مری طاقت غیروں نے کیا سر سے ادا حق رفاقت
ہاں سچ بھی ہے اے گوہر دریائے صداقت اعدا سے نہیں جنگ کی ہے مجکو لیاقت
حاضر ہے یہ شمشیر دودم بھی انھیں دیجیے
رخصت جنھیں ملتی ہے علم بھی انھیں دیجیے

مطلب نہ علم سے ہے نہ شمشیر سے کچھ کام اب ہے تَعب اور گریہ وزاری سحر و شام
لشکر کا نشاں پا کے بھی قسمت میں نہ تھا نام افسوس وہ آغاز ہوا اور یہ انجام
قسمت ہی بُری ہے نہیں تقصیر کسی کی
یوں بن کے بگڑ جائے نہ تقدیر کسی کی

یہ کہتے ہی عباسؑ پہ رقت ہوئی طاری — اشک آنکھوں سے برسے صفتِ ابرِ بہاری
گھبرا کے کہا شاہ نے کیوں کرتے ہو زاری — اچھا وہی ہوئے گا جو مرضی ہو تمھاری
آزردہ نہو منھ سے بس اب کچھ نہ کہیں گے
تم جس میں خوشی خیر ہمیں داغ سہیں گے

یہ کہہ کے سوے خیمہ چلے روتے ہوئے شاہ — عباسؑ بھی تھے قبلۂ کونین کے ہمراہ (۵۳۵)
فضہ نے کہا زینبؑ دلگیر سے ناگاہ — میدان سے آتے ہیں ادھر سید ذیجاہ
ہے ریش بھی تر اشکوں سے رخسار بھی نم ہے
رومال ہے آنکھوں پہ کمر ضعف سے خم ہے

زینبؑ نے کہا خیر کرے خالقِ اکبر — ہے اور کوئی ساتھ کہ تنہا ہیں برادر
فضہ نے کہا پیچھے ہیں عباسؑ دلاور — فرمایا میں سمجھی سببِ گریۂ سرور
رونا نہیں بے وجہ جگر بندِ نبیؐ کا
سامان یہ ہے رخصتِ عباسؑ علی کا

یہ سن کے اڑا رنگ رخِ آلِ پیمبر — بانوئے علی اکبرؑ کے ہیے ہو گئی مضطر
یوں کہنے لگی زوجۂ عباسؑ دلاور — کیوں خیر تو ہے کیا ہوا اے شاہ کی دختر
بولیں کہ یوں ہی حال مرا غیر ہے بی بی
کھل جائے گا جو ہوئے گا ہاں خیر ہے بی بی

یہ کہہ کے چلی جانبِ در شاہ کی ہمشیر   داخل ہوئے ڈیوڑھی میں ادھر حضرتِ شبیرؑ
دیکھی جو بھی دیر سے وہ چاند سی تصویر   کس شوق سے آئی وہ قریبِ شہِ دلگیر
اک ہاتھ سے لیں سبطِ پیمبرؐ کی بلائیں
اک ہاتھ سے عباسِؑ دلاور کی بلائیں

خوش ہو کے دعا کرتی تھی وہ شاہ کی شیدا   جوڑی یہ سلامت رہے اے خالقِ یکتا
فرمانے لگے رو کے شہِ یثرب و بطحا   بس آج تلک ساتھ تھا اب ہوتے ہیں تنہا
یہ روتے ہیں جو ان کو انھیں سمجھاتے ہیں بھینا
بھائی تو ہمیں چھوڑ کے چلے جاتے ہیں بھینا

بچوں کا نہ صدمہ ہے نہ رونے کا مرے غم   ل جائے رضا رن کی تقاضا ہے یہ ہر دم ۱۰
سمجھاؤ تمھیں کچھ انھیں اے ثانیِ مریم   مرجائے گا عباسؑ تو جینے کے نہیں ہم
یہ غیظ میں رکتے نہیں رو کے سے کسی سے
کہتے ہیں چلا جاؤں گا رو ضہ پہ علیؑ کے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ شاہ کی شیدا   بولی کہ نہ بھائی یہ کبھی ان سے نہ ہوگا
ہے درپئے آزار و جفا لشکرِ اعدا   اس وقت میں عباسؑ تمھیں چھوڑینگے تنہا
حجت انھیں کچھ جانے نہ جانے میں نہیں ہے
ایسا تو وفادار زمانے میں نہیں ہے

دے سب کو خدا خلق میں اسطرح کا بھائی جرار وفادار مددگار فدائی
غصہ ہے انھیں یہ کہ اجازت نہیں پائی کیا سہل ہے آغوش کے پالے کی جدائی
تھوڑے ہیں الم اور یہ غم کھانے نہ دوں گی
رخصت بھی جو دیں آپ تو میں جانے نہ دونگی

ساتھ ان کے اگر آج نہیں مادر غمخوار پالا ہے انھیں گود میں کیا میں نہیں مختار
ہر وقت یہ ہیں آپ کی راحت کے طلبگار میں ان سے نہ بگڑوں جو کریں جانے میں تکرار
جو ہوتا ہے ارشاد بجا لاتے ہیں عباسؓ
کیوں آپ ہیں بیتاب کہاں جاتے ہیں عباسؓ

حضرت نے اشارا کیا تم بھائی کو سمجھاؤ زینبؓ نے کہا آؤ میں قربان گئی آؤ
لیجا کے الگ بولیں کہ بھائی کو نہ رلواؤ تم کو سر زینبؓ کی قسم ہے جو کہیں جاؤ
تم پاس نہو گے تو کدھر جائیں گے شبیرؓ
ہتھیار تو کھولو نہیں مر جائینگے شبیرؓ

عباسؓ نے رو کر کہا اے ثانیِ زہراؓ مر جانے میں عزت ہے نہ جاؤں تو کروں کیا (۵۵م)
سر دینے کو میداں میں چلے تھے شہ والا رکتے نہ جو میں پاؤں یہ آقا کے نہ گرتا
مر جانے سے میرے کوئی برباد نہ ہوگا
شبیرؓ نہوں گے تو گھر آباد نہ ہوگا

خادم نے اگر آپ کے ارشاد کو مانا — فرمائیے پھر کیا کہے گا مجھکو زمانا
نہ دین میں توقیر نہ دُنیا میں ٹھکانا — جانا مرا بہتر ہے کہ شبیرؓ کا جانا

جرّاروں کے سر جسم پہ محسن کے لیے ہیں
اچھا جنہیں پالا ہے وہ کس دن کے لیے ہیں

آگے مرے گر قتل ہوے حضرت شبیرؓ — صورت مری پھر آپ کبھی دیکھیں گی ہمشیر
حضرت کا تو کیا ذکر ہے اے خواہرِ دلگیر — مرجاؤں میں اکبرؓ پہ جو آرے کوئی شمشیر

اس گھر کی غلامی مجھے منظور نظر ہے
وہ بھی مرا آقا ہے کہ آقا کا پسر ہے

روکو نہ مجھے سیّدِ ابرار کا صدقہ — سر دینے دو کونین کے سردار کا صدقہ
کچھ سعی کرو حیدرؓ کرار کا صدقہ — دلوا دو رضا احمدِ مختار کا صدقہ

میداں میں بڑی بے ادبی کرتے ہیں اعدا
اکبرؓ سے مبارز طلبی کرتے ہیں اعدا

کچھ سوچ کے زینبؓ نے کہا ہائے مقدّر — دلوا دوں رضا بھائی سے میں بھائی کو کیونکر
یاں انکا یہ اصرار ہے واں لوٹتے ہیں سرور — جینے کے نہیں جبر سے راضی بھی ہوے گر

سمجھانے کو بھیجا ہے مجھے شاہِ زمن نے
فرمائیں گے کھویا مرے بھائی کو بہن نے

(۵۵۰) ہاں رخصتِ اکبرؑ ہو تو ہو اُن کو گوارا
فرزند اُنھیں تم سے زیادہ نہیں پیارا
اکدم بھی جدا ہونے کا جی کو نہیں یارا
کیونکر کہوں وہ داغ اُٹھائیں گے تمھارا
اوّل تو یقیں ہے کہ نہ اقبال کریں گے
مانا بھی تو کیا جانیے کیا حال کریں گے

یہ کہہ کے گئی شہ کے قریں زینبؑ بے پر
عباسؑ بھی ہمراہ تھے نہوڑائے ہوئے سر
حضرتؑ نے اشارا کیا کیوں کیا ہوا خواہر
کی عرض نہیں مانتے عباسؑ دلاور
منظور ہے صدقے ہوں شہنشاہِ امم پر
سمجھاتی ہوں جب میں تو یہ گرتے ہیں قدم پر

اجازت

روتے ہیں کہ ہمچشموں میں اب ہوتا ہوں محجوب
معلوم ہوا یہ نہ رُکیں گے کسی اسلوب
خیر اب وہی کیجیے کہ جو کچھ ان کو ہے مطلوب
حضرتؑ نے کہا رو کے بہت خوب بہت خوب
تنہائی کا غم کچھ نہیں راضی بہ رضا ہیں
بندے کے تو سب امر محوّل بہ خدا ہیں

سکینہؑ کی ضد

خیمے میں ہوا غل کہ چلے حضرتِ عباسؑ
سب بولے کہ لو اور بھی سرور ہوئے بے آس
گھبرا کے سکینہؑ نے کہا تب بہ لبِ یاس
کیا کہتی ہو تم مجھکو تو جانے دو چچا پاس
منھ شہ سے وہ موڑینگے نہ مانوں گی کبھی میں
عمو مجھے چھوڑیں گے نہ مانوں گی کبھی میں

میں جانتی ہوں کیا ایسا چلا جاتا ہے آسان — دامن جو چھڑائیں تو کروں چاک گریبان
عباسؑ کی زوجہ نے کہا سچ ہے یہی قربان — جائیں کبھی پیاسے نہیں بی بی کے چچا جان
کیا جانیے واں مشورے کیا ہوتے ہیں بی بی
پر کچھ نہ کچھ ایسا ہے کہ سب روتے ہیں بی بی

یہ سنتے ہی گھبرا کے چلی شاہ کی جائی — رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی ۱۵
سرکاتی ہوئی بھیڑ کو اس وقت وہ آئی — جس وقت کہ ملتا تھا گلے بھائی سے بھائی
چلائی کہ سمجھی ہیں جہاں چھپ کے چلے تھے
آتی ہوں بھلا مجھ سے کہاں چھپ کے چلے تھے

بتلائیے جاتی ہے کدھر آج سواری — اس پیاس میں لی واہ خبر خوب ہماری
دم گھٹتا ہے بولو تو چچا جان ہیں واری — کیوں تم سے گلے مل کے پدر کرتے ہیں زاری
بر میں ہے زرہ تیغ لگائی ہے کمر سے
ہوتے ہو جدا کیا مرے مظلوم پدر سے

عباسؑ پکارے میں اس آواز کے قربان — ہم جاتے ہیں پانی کے لیے آؤ مری جان
دامن سے لپٹ کر یہ لگی کہنے وہ نادان — میں گھر سے تمہیں جانے نہ دوں گی کسی عنوان
بابا کا مرے کوئی مددگار نہیں ہے
صدقے گئی پانی مجھے درکار نہیں ہے

پانی کے لیے وہ تمھیں ہاتھ سے کھوؤں | میں قبلۂ کونین کی دولت کو ڈبوؤں
شب ہووے تو پھر کس کی بھلا چھاتی پہ سوؤں | اب روتی ہوں پانی کے لیے پھر تمھیں روؤں
ہے ہے شہ بیکس کا رُلانا نہیں اچھا
پیاس اچھی ہے پر آپ کا جانا نہیں اچھا

عباسؓ نے فرمایا کہ تم مشک تو لاؤ | بولیں گے نہ پھر ہم یہ نہ کہنا کہ نہ جاؤ
قربان میں کیوں پیاس کی تکلیف اُٹھاؤ | تم بھی پیو اصغرؑ کو بھی چلو سے پلاؤ
نیلے ہیں یہ لب رنگ نہ کیوں زرد ہو میرا
تم پیاس بجھاؤ تو جگر سرد ہو میرا

(۵۶۰) کہنے لگی مُنھ دیکھ کے بابا کا وہ دلگیر | کیا کہتے ہیں سُنتے ہو چچا جان کی تقریر
حضرت نے کہا یہ نہ رُکیں گے کسی تدبیر | اب مشک بھی لادو انھیں جو خواہش تقدیر
روکو نہ کہ درپیش عجب راہ ہے ان کو
سقائی کی خدمت کی بڑی چاہ ہے ان کو

یہ سُن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم | آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ ہوئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم | عباسؓ چلے گھر سے بپا ہو گیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا
گویا کہ قمر برج سے باہر نکل آیا

مجرے کو بہادر کے جلال و حشم آئے
قدسی بھی زیارت کو قدم با قدم آئے
ہاتھوں پہ فدا ہونے کو فیض و کرم آئے
غیظ و غضب و قہر و تہوّر بہم آئے

چوما ظفر و فتح نے دامانِ علم کو
اقبال نے ہاتھوں کو شجاعت نے قدم کو

اسواریِ غمخوارِ امامِ زمن آئی
یا بادِ صبا ناز سے سوئے چمن آئی
جب گرد اُٹھی بوئے گلِ یاسمن آئی
گھوڑا تھا کہ پہنے ہوئے زیورِ دلہن آئی

آمد درِ دولت پہ ہوئی کبک دری کی
مرغانِ ہوا بھول گئے چال پری کی

گھوڑے پہ چڑھے حضرتِ عباسؑ فلک جاہ
روح اسد اللہ رضؓ چلی شیر کے ہمراہ
جاسوس نے دی جا کے خبر فوج کو ناگاہ
آتا ہے بڑا شیر دلاور سوئے حجگاہ

اس سج کا جواں غرب سے تا شرق نہیں ہے
حیدر رضؓ میں اور اُسمیں سرِ مو فرق نہیں ہے

(۶۵) چہرے نے عجب نور کی صورت میں دکھائی
گرتی ہوئی بجلی صفِ دشمن میں دکھائی
گردوں کی صفا دشت کے دامن میں دکھائی
ذرّوں نے ستاروں کی چمک بن میں دکھائی

غیرت سے سفیدی تھی رُخِ چرخ بریں پر
نقشِ سُمِ توسن مہ کامل تھا زمیں پر

میدان میں آمد

جادہ کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کاہکشاں ہوں　　کرتی ہے زمیں ناز کہ میں نورفشاں ہوں
پلہ مرا بھاری ہے کہ رتبے میں گراں ہوں　　فرزند علی جس کا مکیں ہے وہ مکاں ہوں
کیا اُس کو مرے رتبۂ اعلیٰ کی خبر ہے
یاں چاند بہتّر ہیں وہاں ایک قمر ہے

استادہ ہے یہ ماہِ بنی ہاشمِ ذی قدر　　دکھلائے تو اس شکل و شمائل کا کوئی بدر
یہ دوش یہ بازو یہ گلو یہ کمر و صدر　　یہ عارض و گیسو سحرِ عید و شبِ قدر
یاں کون سی نسبت ہے ترے شمس و قمر کو
اک رات کو قربان کروں ایک سحر کو

ناگہ نظر آیا علمِ دیں کا پھریرا　　پنجے کے چمکنے سے ہوا دشت سنہرا
دریا کے نگہبانوں کا پانی ہوا زہرا　　گھبرا کے ہٹا گھاٹ سے اسواروں کا پہرا
تھا شور کہ دیکھو وہ دلیر آن ہی پہونچا
لو سامنے بپھرا ہوا شیر آن ہی پہونچا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں　　پانی کے لیے ابرِ کرم آتا ہے رن میں
بازوئے شہنشاہِ اُمم آتا ہے رن میں　　اسلام کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

غازی کی وہ شوکت وہ شکوہِ علمِ نور — کہتی تھی یہ گیتی کہ انا الطور انا الطور
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے موئے سرِ حور — ہم پنجہ ہو پنجے سے یہ کیا مہر کا مقدور
دکھلاتا تھا سر سبزی افلاک پھریرا
تھا دامنِ مریم کی طرح پاک پھریرا

زر ریزہ تھا پنجہ تو یہ کہتے تھے خردمند — یہ ہاتھ سخی کا ہے نہوئے گا کبھی بند
تھی اُسکی ضیا آئینہ مہر سے دہ چند — کرتا تھا ستاروں کو فلک فخر سے اسپند
سب فوجِ ملائک کی نظر اُس سے لڑی تھی
اور بڑھے ہوے اک سبز ردا حور کھڑی تھی

صف باندھے ہوے محوِ تماشا تھے ستم آرا — جو حضرتِ عباسؑ نے بڑھکر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا — ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعوے ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

گھبرا کے بڑھا خود عمرِ سعدِ بد انجام — عباسؑ سے کی عرض کہ اے صاحبِ صمصام
سُن لیجیے کچھ شام کے حاکم کا ہے پیغام — پر آپ تک آتے ہوے تھرّاتا ہے اندام
جھنجھلائے ہوے شیر سے اندیشہ ہے جاں کا
میں چند نفس آپ سے طالب ہوں اماں کا

کی جبیں بجبیں ہو کے یہ عباسؓ نے تقریر ۔ پیغام مجھے بھیجے گا کیا حاکمِ بے پیر
بندہ ہوں میں حاکم ہیں مرے حضرت شبیرؑ ۔ شیوہ ہے تمھیں لوگوں کا یہ حیلہ و تزویر
ہے کام وفا سے ہمیں اور ہم سے وفا کو
فرزند علیؑ ننگ سمجھتے ہیں دغا کو

(۵۷۵) گر صلح کا پیغام بھی لایا ہے تو بیکار ۔ میں کہتا ہوں مانیں گے نہیں سیدِ ابرار
دو بھانجے مارے گئے اک بھائی کا دلدار ۔ صدمہ یہ اٹھایا ہے کہ ہیں زیست سے بیزار
کھل جائے گا شمشیر و سپر باندھ چکے ہیں
وہ دیر سے مرنے پہ کمر باندھ چکے ہیں

کچھ سوچ کے یہ کہنے لگا ظلم کا بانی ۔ سچ ہے کہ نہ بچے گا نہ یداللہ کا جانی
پر آپ گنواتے ہیں عبث اپنی جوانی ۔ کوئی تو رہے خلق میں حیدرؓ کی نشانی
غصہ کے نہ اندوہ کے نہ طیش کے دن ہیں
راتیں ہیں یہ آرام کی یہ عیش کے دن ہیں

کیوں کرتے ہو بے فائدہ جینے سے کنارا ۔ چھوٹا ہے ابھی عمر میں فرزند تمھارا
جب آپ نے دی جان تو گویا اسے مارا ۔ عباسؓ جدائی کرو بھائی کی گوارا
ما بین لحد ساتھ برادر نہیں جاتا
بھائی کوئی بھائی کے لیے مر نہیں جاتا

یہ سنتے ہی تھرانے لگا شیر کا اندام
غصّے کے سبب سُرخ ہوئی چشم سیہ فام
قبضے کو جو دیکھا تو اُگلنے لگی صمصام
فرمایا کہ ظالم مجھے دینا ہے یہ پیغام
شاید نہیں آگاہ مرے جد و پدر سے
ایسا ہوں کہ پھر جاؤں گا زہرا کے پسر سے

بس دور ہو آگے مجھے سُننے کی نہیں تاب
سر تن سے اُتاروں ترا او ظالم کذاب
میں بھائی کا دشمن ہوں یہ ہے کون سا آداب
کیا قدر پھر اُسکی ہے جو موتی کی گئی آب
رتبہ یہ ہے یہ سب شاہِ ولایت کا تصدق
ہم جانتے ہیں جان کو عزت کا تصدق

آگے مرے تو ذکر پسر کا مرے لایا
شبیرؑ کے بچوں پہ تجھے رحم نہ آیا
اصغرؑ سے تو ہے سن میں زیادہ مرا جایا
پانی تو کہاں دودھ بھی جس نے نہیں پایا
دل سینے میں ٹکڑے ہو کہ صدمہ ہو جگر پر
سو بیٹے ہوں تو صدقے کروں اُنکے پسر پر

بھائی کے لیے جی سے گزر جاتا ہے بھائی
جاتا ہے برادر بھی جدھر جاتا ہے بھائی
کیا بھائی ہو تیغوں میں تو ڈر جاتا ہے بھائی
آنچ آتی ہے بھائی پہ تو مر جاتا ہے بھائی
نعشیں بھی بہم زیرِ زمیں ہوتی ہیں اکثر
قبریں بھی پسِ مرگ قریب ہوتی ہیں اکثر

عاشق کہیں معشوق سے کرتے ہیں کنارا   بلبل کو کبھی گُل کی جُدائی ہے گوارا
قمری کو بجز سروِ چمن کون ہے پیارا   گردن سے کبھی طوق غلامی نہ اُتارا
سر تن سے جدا ہو پہ نہ جانا نہ جُدا ہو
اندھیر ہے گر شمع سے پروانہ جدا ہو

فرزند محمدؐ ہے مرا مالک و مختار   فرمائیں تو دریا میں ابھی ڈال دوں ہتھیار
کہدیں تو ابھی کود پڑوں آگ میں اکبار   گر حکم وغا دیں تو کروں لاکھوں سے پیکار
رستم ہوں تو اُن کا ہوں جو صفدر ہوں تو اُنکا
بندہ ہوں تو اُنکا جو برادر ہوں تو اُن کا

کہنے پہ ہیں ہوں تجھ سے خفا جو کے نرے فہم   دوں رنج میں دل کو شہ خوشخو کے نرے فہم
پہنچے اُنھیں فرق کہ ہاتھ سے بازو کے نرے فہم   آنکھوں کی بدی سامنے ابرو کے نرے فہم
ہٹ جا نہیں تیغ اب مری واللہ چلے گی
شیروں سے نہ یہ بازیٔ روباہ چلے گی

میں حشمتِ دنیا کی تمنا نہیں رکھتا   قطرے کی طمع فیض کا دریا نہیں رکھتا (۵۸۵۱
اعلےٰ جو ہے ادنیٰ کی وہ پروا نہیں رکھتا   پتّے سے علاقہ سرِ طوبیٰ نہیں رکھتا
کافر کی طرف صاحبِ ایماں نہیں جاتے
بتخانے میں کعبے سے مسلماں نہیں جاتے

خورشید کو محتاجیِ ذرّہ نہیں ذرّا　　دیندار سدا کرتے ہیں کافر پہ تبرّا
ظالم ترے حاکم کو ہے کس بات پہ غرّا　　اسلام سے عاری ہے تو ایماں سے معرّا

قاروں کا خزانہ ہو تو عزت نہیں ملتی
دولت سے کمینے کو شرافت نہیں ملتی

کچھ خارِ مغیلاں گلِ تر ہو نہیں جاتا　　ہر قطرۂ ناچیز گہر ہو نہیں جاتا
قلعی سے کچھ آئینہ قمر ہو نہیں جاتا　　مس پر جو ملمع ہو تو زر ہو نہیں جاتا

جس پاس عصا ہو اُسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل یدِ بیضا نہیں کہتے

دولت نہیں انسان کی کچھ قدر بڑھاتی　　دنیائے دنی کام کسی کے نہیں آتی
گو فقر ہو عالی نسبی پر نہیں جاتی　　بینا جو ہیں وہ دیکھتے ہیں جوہرِ ذاتی

محتاجی سے کم رتبۂ عالی نہیں ہوتا
عزت وہ خزانہ ہے کہ خالی نہیں ہوتا

جو شاہ کہ سب خلق سے رتبے میں سوا ہو　　بتلاؤ غلام اُس پہ فدا ہو کہ جدا ہو
تنہا ہوں تو کیا ڈر ہے جو لاکھوں ہوں تو کیا ہو　　لوں میان سے شمشیر تو اک دم میں فنا ہو

غارت تمہیں کر دینے کو تیار ہے عباسؓ
بھائی کے مگر رحم سے ناچار ہے عباسؓ

(۵۹۰) خود مجھکو قسم دی ہے کہ غصّے میں نہ آنا
بھیّا نہ ملے راہ تو دریا پہ نہ جانا
اُمت کی تباہی پہ کُڑھینگے مرے نانا
اُن کا تو یہ رحم اور تمھارا یہ ستانا
دو دن سے نہیں پانی کی اک بوند ملی ہے
ہے سخت تعجب کہ یہ کیا سنگدلی ہے

ظالم نے کہا تب کہ نہیں ملنے کا پانی
نقصان تھا کیا بیعتِ حاکم جو نہ مانی
تھرّا گیا یہ سُن کے یدُ اللہ کا جانی
فرمایا زباں روک بس او ظلم کے بانی
جس وقت بڑھیں پھر کہیں دم لیتے ہیں دریا
لے دیکھ اسی حملے میں ہم لیتے ہیں دریا

یاں تیغِ جگر بند علیؑ میان سے نکلی
کس زرق سے کس برق سے کس شان سے نکلی
فریادِ دلِ قوم بنی جان سے نکلی
اک تازہ پری تھی کہ پرستاں سے نکلی
غل تھا کہ یہ کس چیز کا پرتو نظر آیا
حیرت ہے کہ دشمنوں کو یہ تو نظر آیا

حملے تھے قیامت کے لڑائی تھی غضب کی
خوں پی گئے بُرّش تیغ نے پائی تھی غضب کی
ہوتی تھیں صفیں صاف صفائی تھی غضب کی
اس مُنھ کی صفائی پہ رُکھائی تھی غضب کی
چلنے میں مزاقاتِ معشوق حسین کا
انداز ہر اک تاب میں تھا چین جبیں کا

کیا قہر تھا شمشیر کے ابرو کا اشارا — اک چشم زدن میں اسے مارا اُسے مارا
نہ بھاگنے کی تاب تھی نہ جنگ کا یارا — ہر ضرب میں تھے جان سے عاری ستم آرا
گر بچ گیا یہ اسکی بلا اُلٹ گئی اُس پر
مُنہ دیکھ لیا جس نے چھُری چل گئی اُس پر

(۹۵) کج ہو کے وہ چلنا وہ ٹھہرنا وہ لچکنا — شعلہ تھا جبل گرد تھا بجلی کا چمکنا
وہ دیدۂ جوہر سے جفاکاروں کو تکنا — گویا تھا تماشا اُسے کشتوں کا پھڑکنا
ندی کے قریں خون کا دریا سا بہا تھا
کیا چال غضب تھی کہ ہر اک لوٹ رہا تھا

بجلی کا چلن شعلہ کی خو سرکش و بیباک — ہر حرب سے شبک دست گراں قیمت و چالاک
خونخوار و جفاکار ستم پیشہ و سفاک — کج باز سر انداز ترش رو و غضبناک
خود آب مگر آگ لگا دینے کو آندھی
ہستی کے چراغوں کے بجھا دینے کو آندھی

بسمل ہوا جسکو لپک اسکی نظر آئی — بجلی سی جو چمکی تو کلیجوں میں در آئی
چو رنگ کیا اُسکو اُسے اینٹھ کر آئی — اٹکھیلیاں کرتی ادھر آئی اُدھر آئی
حوروں میں یہ گرمی نہ لگاوٹ یہ پری میں
بیدم کیا لاکھوں کو اسی عشوہ گری میں

زرادوں کے ڈھالوں پہ وہ تلوار نہ ٹھہری — اک دم بھی میانِ صفِ کفار نہ ٹھہری
سر سیکڑوں کاٹے کہیں زنہار نہ ٹھہری — خوں اتنے کیے اور گنہگار نہ ٹھہری

مجرم رہی سرکش رہی بیباک رہی وہ
دھبا نہ لگا خون سے بھی پاک رہی وہ

خاک اُڑ گئی اس صف کی جدھر سنکے چلی وہ — خود و سر و زرہ کاٹ کے جوشن سے چلی
دو کرکے زرہ سینۂ دشمن سے چلی وہ — اسوار کا گرنا تھا کہ توسن سے چلی

تھی ریت میں جب توسنِ چالاک سے نکلی
کھینچا تو چمکتی ہوئی پھر خاک سے نکلی

(۲۰۰) نہ ڈھال پہ نہ سر پہ نہ توسن پہ رُکی وہ — سینہ پہ نہ بکتر پہ نہ جوشن پہ رُکی
نہ سنگ نہ اسوار نہ آہن پہ رُکی وہ — نہ زین نہ پاکھر پہ نہ توسن پہ رُکی

یہ چاشنیِ خون عدو بھا گئی اُس کو
بجلی کی طرح جس پہ گری کھا گئی اُس کو

آفت تھی قیامت تھی چھلاوہ تھی بلا تھی — بجلی تھی کٹاری تھی قرولی تھی قضا
روکے کوئی کیا یارطہ نہ تھی سیل فنا تھی — پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا

بجلی کو بھی تڑپا دیا تھا جلوہ گری نے
تاب اُسکی نہ تھی تیغ نکالی تھی پری نے

اک آفتِ نو لشکرِ سفاک پہ آئی — جس صف پہ گری تیغ دہان خاک پہ آئی
گہ فرق پہ چمکی کبھی فتراک پہ آئی — دو ہو گیا جس ظالمِ ناپاک پہ آئی

ہر صف کا یہ احوال تھا اس تیغ دو دم سے
جس طرح کوئی کاٹ دے سطروں کو قلم سے

رہوار سبک سیر نسیمِ سحری تھا — ہم پیکرِ طاؤس دمِ جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبک دری تھا — کاوے میں جو یہ کار تو اڑنے میں پری تھا

رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہکشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن — سم بدر سے اور نعل مہِ نو سے تھے روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون — ٹاپ اسکی طمانچہ تھا جبیں کا پئے دشمن

مستِ مے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

لڑتا ہوا پہنچا لبِ دریا جو وہ جرار — تھا دوشِ مبارک پہ علم ہاتھ میں تلوار
کہنی سے ٹپکتا تھا لہو خاک پہ ہر بار — چھیڑا جو ذرا اڑ کے گیا نہر میں رہوار

دل کھل گیا آئی جو ہوا سرد تری کی
تر ہو گئی چھینٹوں سے زرہ جسم جری کی

گو پیاس سے تڑپا دلِ عباسؑ خوش اطوار
بھولے نہ مگر تشنگی سیدِ ابرار
اُس وقت میں رہوار بھی ہوتے تھے وفادار
پانی سے اُٹھائے رہا مُنھ اپنا وہ رہوار
سمجھا کہ خجل ہوں گا بہت پیاس بجھا کے
ہمت اسے کہتے ہیں یہ معنی ہیں وفا کے
ڈھیلی کی لگام اُسکی کئی بار یہ کہہ کر
تو پی لے کہ پھر پانی نہوئے گا مُیسّر
کی عرض کہ اے لختِ دلِ ساقیِ کوثر
دو روز سے ہے تشنہ جگر آلِ پیمبر
پانی پیئے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیدِ ابرار کا گھوڑا
یہ سُن کے علمدارؑ کی آنکھیں ہوئیں پُر نم
سیراب کیا مشک سکینہؑ کو بصد غم
مُنھ باندھ کے تسمہ سے رکھا دوش پہ جسدم
کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ ہے نگہباں ہے علم کا
یارب میں بہشتی ہوں پیمبرؐ کے حرم کا
یہ کہہ کے چلے نہر سے عباسؑ فلک جاہ
جاری تھا زباں پر کہ توکلتُ علے اللہ
پھر آگئے دریا پہ صفیں باندھ کے روباہ
غُل تھا کہ بہادر کو نکلنے کی نہ دو راہ
رستہ نہ ملے گا تو کدھر جائیں گے عباسؑ
خود ڈوب کے اس نہر میں مرجائیں گے عباسؑ

ساحل پہ ہوئی قتل علمدار کی تدبیر   ترکش کے دہن کھل گئے چلّوں سے ملے تیر ۱۰
تھے گھاٹ کو تلواروں سے روکے ہوئے بے پیر   عباسؑ بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر
یہ حال تھا ضیغم دمِ جنگ آتا ہے جیسے
یوں آتے تھے ساحل پہ نہنگ آتا ہے جیسے

لڑتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا   بادل کو ہٹا کر مہِ انور نکل آیا
سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا   دریائے شجاعت کا شناور نکل آیا
ڈر سے کسی روباہ نے ضیغم کو نہ روکا
تلوار اُٹھا کر کہا کیوں ہم کو نہ روکا

یوں جاتے ہیں اور نہر سے یوں آتے ہیں غازی   لاکھوں ہوں تو ہوں دھیان میں کب لاتے ہیں غازی
زخم تبر و تیر و سناں کھاتے ہیں غازی   جب بات پہ آتے ہیں تو مر جاتے ہیں غازی
رکتے نہیں یوں حکم خدا روکے تو روکے
کیا روکو گے تم ہاں جو قضا روکے تو روکے

یہ کہہ کے ترائی سے بڑھا شیرِ دلاور   پستی سے نمایاں ہوا گویا شہِ خاور
غل تھا کہ نہیں رکنے کا یہ عاشقِ داور   لو جاتا ہے دریائے شجاعت کا شناور
سب ٹوٹ پڑو ورنہ بڑا پیچ پڑے گا
پیاسے ہوئے سیراب تو پھر کون لڑے گا

دو لاکھ کے حلقے نے علمدارؑ کو گھیرا — وہ چاند تو تھا بیچ میں اور گرد اندھیرا
جو بھاگ گئے تھے اُن لوگوں نے بھی باگوں کو پھیرا — یہ کہتے تھے اللہ مددگار ہے میرا
تلوار سے نیزوں کو قلم کرتے تھے عباسؑ
پڑھ پڑھ کے دُعا مشک پہ دم کرتے تھے عباسؑ

لڑتے تھے وہ انبوہ ہوا تھا مگر کم — اُمنڈا تھا سمندر کی طرح لشکرِ ظلم (۶۱۷)
ہاں جانے نہ دینا یہی غل ہوتا تھا ہر دم — واں غش میں سکینہؑ تھی حرم کرتے تھے ماتم
شمشیر بکف اکبرؑ ذی جاہ کھڑے تھے
ہاتھوں سے کمر پکڑے ہوئے شاہ کھڑے تھے

فرماتے تھے اکبرؑ سے یہ رو رو کے بصد یاس — اب کیا کروں اعدا میں گھرا ہے مرا عباسؑ
کہہ دو یہ سکینہؑ سے کہ ہو پیاس سے بے آس — آنے نہیں دیتے مرے بھائی کو مرے پاس
دُنیا سے مٹاتے ہیں نشانی کو علیؑ کی
مارا ہمیں اُمت نے دُہائی ہے نبیؐ کی

گھبرا کے یہ ڈیوڑھی سے سکینہؑ نے پکارا — کیوں روتے ہو بابا کسے مارا کسے مارا
چلّائے یہ شہ دیں کہ نہیں صبر کا یارا — سقا ہے حرم چھوٹتے ہیں ساتھ ہمارا
جینے کا مزا فرقتِ عباسؑ نے کھویا
بس ہے مرے بھائی کو تری پیاس نے کھویا

منھ کرکے سوئے نہر وہ پیاسی یہ پکاری | دریا سے چلے آؤ چچا تم پہ میں واری
تم خالی ہی لاکر ہمیں دو مشک ہماری | بابا کی سُنی جاتی نہیں گریہ و زاری

جلد آؤ کہ بیتاب امام دوسرا ہیں
ہم نے تمھیں پانی کو جو بھیجا تو خفا ہیں

کہتی تھی یہ گھبرائی ہوئی زوجۂ عباسؑ | کیوں بیبیو بچے مرے کیا ہو گئے بے آس
کیا کہتے ہیں شاہِ شہدا کس سے ہوئی یاس | اے وائے مقدر نہ سکینہؓ کی بجھی پیاس

کیسی خبر آئی ہے کہ جی کھوتے ہو لوگو
تم سب مرا منھ دیکھ کے کیوں روتے ہو لوگو

عباسؓ سلامت ہیں تو آنسو نہ بہاؤ | آجائے گا پھر غش نہ سکینہؓ کو رلاؤ
ثابت ہے جو مرنا مجھے رنڈسالہ پنہاؤ | ڈیوڑھی سے چلو ماتمی صف گھر میں بچھاؤ

خود کہہ گئے تھے وہ کہ سلامت نہ پھریں گے
عباسؓ بس اب تا بہ قیامت نہ پھریں گے

ماتم تھا ادھر گھر میں اُدھر روتے تھے شبیرؑ | واں چلتے تھے عباس علیؓ پر تبر و تیر
دریا سے بڑھے آتے تھے تولے ہوئے شمشیر | ہر سمت سے اُمڈا ہوا تھا لشکرِ بے پیر

ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

کس کس سے لڑے تشنہ دہانی میں یہ بے آس　　ہمدرد نہ کوئی نہ مددگار کوئی پاس
وہ فوج کا نرغا وہ ہجومِ الم و یاس　　ان سب سے سوا مشک کے چھد جانے کا وسواس
بڑھتے تھے کماندار تو رک جاتے تھے عباسؑ
تیر آتا تھا جب مشک پہ جھک جاتے تھے عباسؑ

فریاد کہ تھے لاکھ لعیں روکے ہوئے راہ　　شمشیر بکف بیچ میں ابن اسداللہ
پیچھے سے پڑی تیغِ ستم دوش پہ ناگاہ　　شاخِ شجرِ باغ علیؑ قطع ہوئی آہ
اک ہاتھ تو ہمراہ گرا تیغِ دودم کے
اک ہاتھ تھا باقی وہ چلا ساتھ علم کے

گرنے لگا جس دم علمِ سیدِ والا　　عباسؑ نے جھک کر اسے گردن سے سنبھالا
اک تیر لگا چشم پہ اور سینہ پہ بھالا　　بند آنکھیں ہوئیں منہ سے لہو شیر نے ڈالا
خم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا
شق ہو گیا سر حضرتِ عباسؑ علی کا

کچھ گرز گرانبار کا صدمہ نہیں تھوڑا　　سر پھٹ گیا پر مشک کو دانتوں سے نہ چھوڑا (۶)
زیں سے جو گرے آپ کھڑا ہو گیا گھوڑا　　پھر تیر نے مشکیزہ کو اور سینہ کو توڑا
پانی جو بہا عید ہوئی فوجِ عدو میں
مچھلی سے تڑپنے لگے عباسؑ لہو میں

نوفل سے کیا شمرِ لعیں نے جو اشارا — وہ دستِ علمدارؑ اُٹھا کر یہ پکارا
یہ کس کے کٹے ہاتھ ہیں ہم نے کسے مارا — دیکھے انھیں کس جا ہے یداللہ کا پیارا
تلواروں سے تصویر مٹائی ہے یہ کس کی
کس شیر کا پنجہ ہے کلائی ہے یہ کس کی

بھائی کے کٹے ہاتھ نظر آئے جو ناگاہ — تھرانے لگے غیظ سے ابنِ اسدؑ اللہ
اتنا تو کہا مر گئے عباسِؑ علی آہ — تیغِ دو زباں کھینچ کے دوڑے شہِ ذیجاہ
یاں بنتِ علیؑ کوٹ کے سینہ نکل آئی
سب بیبیوں سے پہلے سکینہؑ نکل آئی

عباسؑ کا فرزند تڑپ کر یہ پکارا — کیوں نکلیں بہن تم کسے مارا کسے مارا
وہ کہتی تھی رونے دو نہیں صبر کا یارا — اے بھائی بہشتی مرا کوثر کو سدھارا
چلاتی ہوں میں پھر کے نہیں آتے ہیں بابا
دیکھو وہ کمر پکڑے ہوئے جاتے ہیں بابا

فرزند کو بابا کی خبر سُن کے غش آیا — گودی میں اُسے دوڑ کے فضہؑ نے اُٹھایا
دریا پہ جو پہنچا اسداللہ کا جایا — واں بھائی کو بھائی نے تڑپتا ہوا پایا
آنکھوں کو خجالت کے سبب بند کیے تھے
نیزوں سے چھدی مشک کو پہلو میں لیے تھے

(٦٣٠) بھائی سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ابرار — صدقے میں ترے اے مرے لشکر کے علمدار
مجروح جو تھی تیروں سے ہر چشمِ گہربار — عباسؓ نے آنکھوں کو نہ کھولا گیا زنہار
دکھلا کے وفادار نے کانٹوں کو زباں کے
سر رکھ دیا قدموں پہ امامِ دوجہاں کے

حضرت نے کہا سر تو قدم پر سے اٹھاؤ — عباسؓ ہم آغوش میں لیویں ادھر آؤ
گو ہاتھ نہیں سر مری چھاتی سے لگاؤ — یاری جو زباں دے تو کچھ احوال سناؤ
تقریر تری شہرۂ آفاق ہے بھائی
بھائی تری آواز کا مشتاق ہے بھائی

عباسؓ نے کی عرض کہ ہے موت گلوگیر — کہنا تھا بہت کچھ پہ نہیں طاقتِ تقریر
اب تن کی رگیں کھنچتی ہیں یا حضرتِ شبیرؑ — اُمید یہ ہے رحم کرے مالکِ تقدیر
آگے مرے روئے خلفِ شاہِ نجف ہے
اس وقت تلک مُنھ مرا قبلے کی طرف ہے

سب کام مرے آپ کے صدقے میں بن آئے — وہ فاطمہؑ آئیں شہِ خیبر شکن آئے
آپ آئے حسنؑ آئے رسولِ زمن آئے — سب مشکلیں آساں ہوئیں جب پنجتن آئے
اب روح سوئے خلدِ بریں جاتی ہے آقا
کچھ نیند سی خادم کو چلی آتی ہے آقا

یہ کہہ کے کبھی پاؤں سمیٹے کبھی پھیلائے
کلمہ جو پڑھا ہونٹھ علمدارؑ کے تھرائے
دم تن سے نکلتے ہوئے آنسو بھی نکل آئے
سر پیٹ کے حضرت نے کہا ہائے اخی ہائے

زانوئے شہ دیں پہ سفر کر گئے عباسؑ
گردن تو ڈھلی رہ گئی اور مر گئے عباسؑ

شہادتِ حضرت علی اکبرؓ

دولت کوئی دُنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گُلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی رَوح یہی رُوح یہی ہے

ماں باپ کا دل غنچۂ خنداں ہے اسی سے
وہ گُل ہے کہ گھر رشکِ گلستاں ہے اسی سے
سب راحت و آرام کا ساماں ہے اسی سے
آبادیِ کاشانۂ انساں ہے اسی سے
کس طرح کھلے دل کہ جگر بند نہیں ہے
گھر قبر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے

یہ وہ ہے عصا پیر جواں رہتا ہے جس سے
یہ وہ ہے نگیں نام و نشاں رہتا ہے جس سے
وہ شمع ہے پُر نور مکاں رہتا ہے جس سے
وہ نُور ہے قوی رشتۂ جاں رہتا ہے جس سے
کھوتے نہیں یہ مال زر و مال کے بدلے
موتی بھی لٹا دیتے ہیں اس لال کے بدلے

صولت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے　　ثروت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سرمایہ یہی نقد یہی مال یہی ہے　　گوہر یہی یاقوت یہی لعل یہی ہے
دلبند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
کچھ پاس نہیں گر یہ رقم پاس نہیں ہے

ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے　　تلخی میں بھی جینے کی حلاوت ہے پسر سے
خوں جسم میں آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے　　ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
آرام جگر قوتِ دل راحتِ جاں ہے
پیری میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جواں ہے

وہ شے ہے خوشی در پہ کھڑی رہتی ہے جس سے　　وہ چین ہے راحت کی گھڑی رہتی ہے جس سے (۱۰)
وہ لال ہے امید بڑی رہتی ہے جس سے　　وہ دُر ہے دُرِ جان لڑی رہتی ہے جس سے
آرام جگر تاب و تواں ساتھ ہے اس کے
پھرتا ہے جدھر رشتۂ جاں ساتھ ہے اس کے

مالک سے بھرے گھر کے اُجڑ جانے کو پوچھو　　گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو　　یعقوبؑ سے یوسفؑ کے بچھڑ جانے کو پوچھو
اللہ دکھائے نہ الم نورِ نظر کا
بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

یوسفؑ کو عزیزوں نے چھڑایا جو پدر سے — فرقت ہوئی یعقوبؑ کو اس رشکِ قمر سے
رنگِ رخِ پُر نور اُڑا دردِ جگر سے — دنیا ہوئی اندھیر چھپا چاند نظر سے

دل آب ہوا جاتا تھا فرزند کے غم میں
بیٹا تو کنوئیں میں تھا پدر چاہِ الم میں

تھا چشم کے چشموں سے رواں اشک کا سیلاب — بریں دلِ مجروح تپاں صورت سیماب
آرام کی صورت نہ کوئی زیست کا اسباب — فرزند جب آنکھوں سے نہاں ہو تو کہاں خواب

بستر کو کبھی دیکھ کے دلبند کے روئے
تکیوں سے لپٹ کر کبھی فرزند کے روئے

جاتے تھے عصا تھامے ہوئے شہر میں گھر گھر — بیٹے سے ملاقات نہ ہوتی تھی میسر
جو راہ میں ملتا تھا تو یہ کہتے تھے رو کر — ملتا نہیں گم ہو گیا یوسفؑ مرا دلبر

اب جان نکلتی ہے جلا دے مجھے کوئی
فرزند سے للہ ملا دے مجھے کوئی

ہر بات پہ رو رو کر کفِ افسوس کو ملتے — ہر گام پہ بسمل کی طرح گر کے سنبھلتے
اشک آنکھوں سے ہر مرتبہ رخسار پہ ڈھلتے — گہ ضعف سے گرتے کبھی اٹھتے کبھی چلتے

جب شہر میں پاتے نہ تھے اس رشکِ قمر کو
صحرا کی طرف ڈھونڈنے جاتے تھے پسر کو

سایہ میں درختوں کے کبھی بیٹھ کے روتے — اشکوں سے کبھی دشت کے دامن کو بھگوتے
صحرا کے پرندوں سے مخاطب کبھی ہوتے — دریا سے یہ کہکر کبھی منھ اشکوں سے دھوتے

اب اُسکی جدائی کی مجھے تاب نہیں ہے
تجھ میں تو مرا گوہرِ نایاب نہیں ہے

تھے چار طرف دشت میں فرزند کے جویا — چلاتے تھے اے لال تو کس قبر میں سویا
یوسفؑ تجھے کس چاہ میں لوگوں نے ڈبویا — خود گُم ہوں کہ پیارے تجھے ان ہاتھوں نے کھویا

کچھ تیرا پتا اے مرے مہرو نہیں ملتا
سب آنکھوں کے آگے ہیں مگر تو نہیں ملتا

گر شام کو خورشید نہاں ہوتا ہے پیارے — تو دیکھتے ہیں لوگ اُسے صبح کو سارے
گر دن کو چھپے شب کو نکلتے ہیں ستارے — تو کونسی بدلی میں ہے اے چاند ہمارے

حیرت ہے مرے دیدۂ دیدار طلب کو
جلوہ ترا دن کو نظر آتا ہے نہ شب کو

ہر چند کہ یعقوبؑ کے گیارہ تھے پسر اور — آرام مگر دل کو نہ آتا تھا کسی طور
یعقوبِ محمدؐ کی مصیبت پہ کرو غور — آقا پہ تمھارے ہوا کیا کیا ستم و جور

حقا کہ رضا جوئے خدا وہ شہِ دیں تھا
اُس لال کو کھویا کہ جو یوسفؑ سے حسیں تھا

یعقوبؑ کے آگے جو پسر برچھیاں کھاتا ہے دل کو یقیں منھ سے کلیجا نکل آتا (۶۵۰)
فرزند کا دُکھ باپ سے دیکھا نہیں جاتا اکبرؑ سے پسر کو کوئی ہاتھوں سے گنواتا
ہوتا ہے قلق گُل ہو اگر خار کے نیچے
رکھّے تو کلیجا کوئی تلوار کے نیچے

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے موت آ کے نہ لیجائے یہ دولت کسی گھر سے
اُٹھ جاتا ہے جینے کا مزا مرگِ پسر سے جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا
ہاں سبطِ پیمبرؐ کا حسینؑ ابن علیؑ کا

غیروں کے لیے اپنی کمائی کوئی کھوئے دل باپ کا مانے کہ پسر قبر میں سوئے
خوں میں کوئی اپنے دُرِ یکتا کو ڈبوئے فرزند جواں قتل ہو اور باپ نہ روئے
فرزند کا غم بانوئےؑ ناشاد سے پوچھو
یہ درد کسی صاحبِ اولاد سے پوچھو

دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو سب دُکھ ہوں مگر آنکھوں کی بینائی نہ کم ہو
ماں باپ پہ صدمہ ہو مصیبت ہو ستم ہو لیکن نہ جواں بیٹے کے مرنے کا الم ہو
پھرتی ہے سدا شکلِ پسر دیدۂ تر میں
اک آگ سی ہر وقت بھڑکتی ہے جگر میں

افسوس کہ مادر جسے سو رنج سے پالے | سو کر دے اُسے قبر کے تقدیر حوالے
جس ماں کی نہ قسمت نے کچھ ارمان نکالے | کس طرح سے سر پر وہ بھلا خاک نہ ڈالے
سب خاک ہے جب گود کا پالا ہی نہووے
اندھیر ہے جب گھر کا اُجالا ہی نہووے

ہے باپ کو پیغامِ اجل رحلتِ فرزند | ہو جاتا ہے دل زخمی جدا جب ہو جگر بند
پیوند کلیجے کا ہو جب خاک کا پیوند | کیا خاک ہو وہ سوختہ جاں خرم و خرسند
کیوں بھڑکے نہ آتش دلِ صد چاک کے اندر
جو چھاتی پہ لوٹے وہ چھپے خاک کے اندر

شبیرؑ پہ ڈالی ہے فلک نے یہ مصیبت | فرزند جواں مانگتا ہے مرنے کی رخصت
نہوڑائے ہوئے سر کو کھڑے رہتے ہیں حضرتؑ | ہے دھیان کہ لٹ جائے گی اک عمر کی دولت
کچھ سوچ کے جب دیکھتے ہیں روئے پسر کو
ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں شبیرؑ جگر کو

اب ہاتھ ذرا دل پہ رکھیں صاحبِ اولاد | انصاف سے حضرت کی مصیبت کو کریں یاد
دولت پسرِ فاطمہؑ کی ہوتی ہے برباد | حضرت کو تو ہے ضبط پہ دل کرتا ہے فریاد
یوں ہے جگرِ حضرتِ شبیرؑ تڑپتا
جس طرح ہے بسمل تہِ شمشیر تڑپتا

داماد کا ماتم ہے برادر کا الم ہے — خوں بہتا ہے آنکھوں سے کمر ضعف سے خم ہے
پھر اور اس اندوہ پہ یہ تازہ ستم ہے — ہمشکل پیمبرؐ کے جواں مرنے کا غم ہے
نہ بیاہ ہوا ہے نہ ابھی پھولے پھلے ہیں
ارماں بھرے مرنے کو میداں میں چلے ہیں

مشکل ہے عجب طرح کی کچھ بن نہیں آتا — بیٹا نہیں جاتا ہے مزا زیست کا جاتا
ہے برچھیاں دل پر کوئی حضرتؑ کے لگاتا — دم مارے قلق کے نہیں سینے میں سماتا
اک ایک گھڑی زیست کی دشوار ہوئی ہے
سو صدموں میں اک جان گرفتار ہوئی ہے

(۶۶۰) بیٹے سے کبھی کہتے ہیں خیمے میں تو جاؤ — کیا ماں کا ہے احوال ذرا دیکھ تو آؤ
جو قصد ہے زینبؑ کو تو اے لال سناؤ — حق پالنے والی کا تو دل سے نہ بھلاؤ
رخصت کی تمھارے جو خبر پائیں گی اکبرؑ
سر ننگی پھوپھی گھر سے نکل آئیں گی اکبرؑ

اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ اے قبلۂ عالم — بے آپ سے رخصت لیے جانے کے نہیں ہم
دشوار ہے اک ایک گھڑی زیست کی ہمدم — واں جاؤں تو روکیں گی مجھے مادر پرغم
اس وقت کسی کا نہیں کچھ دھیان ہے بابا
اب مرگ جوانی ہی کا ارمان ہے بابا

شہ نے کہا ماں روئینگی اسکا تمھیں ڈر ہے　　اور دل کی ہمارے نہیں کچھ آہ خبر ہے
گر ماں کا وہ دل ہے تو ہمارا بھی جگر ہے　　کیا میری تباہی تمھیں منظور نظر ہے
جو چاہے کہو جائے شکایت نہیں بیٹا
ہاں ماں کے برابر ہمیں الفت نہیں بیٹا

لو آؤ بس اب رحم مرے حال پہ کھاؤ　　پیری میں ہمیں داغ جوانی نہ دکھاؤ
جلتا ہے جگر رحم کرو مرنے نہ جاؤ　　روئے ہیں بہت اب ہمیں اکبر نہ رلاؤ
الفت کو مری تم نہیں اے لال سمجھتے
اولاد جو ہوتی تو مرا حال سمجھتے

مارے گئے سب میرے عزیز اور ملازم　　نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ عباسؑ نہ قاسمؑ
میں بھی چمنِ خلد کی ہوں سیر کا عازم　　ماں بہنوں کی اب تم کو نگہبانی ہے لازم
آمادۂ غارت کوئی جلاد نہو گا
تم ہوگے تو گھر باپ کا برباد نہو گا

۵۱ رونے لگے مظلومئ شبیرؑ پہ اکبرؑ　　کی عرض کہ جینے سے ہے مرنا مرا بہتر
گھر کی تو نگہبانی کو ہیں عابدِ بے پر　　شادی کے عوض رنج دکھاتا ہے مقدر
اولاد کی نہ بیاہ کے ہونے کی خوشی ہے
گر ہے تو ہمیں گور میں سونے کی خوشی ہے

کوتاہی قسمت نے چھڑایا ہمیں سب سے — محجوب محمدؐ سے خجل شاہِ عرب سے
سر دینگے دمِ صبح ارادہ تھا یہ کب سے — تڑپا کیے اور کچھ نہ کہا پاس ادب سے
دشمن پہ نہ ایسے الم و غم ہوں جہاں میں
قاسمؑ تو ہوں فردوس میں اور ہم ہوں جہاں میں

چھوٹے جو ہوں وہ جوہرِ شمشیر دکھائیں — ہم خاک بسر روتے ہوئے لاشوں پہ جائیں
عباسؑ علی خوں میں لبِ نہر نہائیں — بعد اُن کے بھی سر دینے کا ہم اذن نہ پائیں
فرزند فدا باپ پہ ہوتے نہیں شاید
ہم حیدرؑ کرار کے پوتے نہیں شاید

بچپن میں ہمیں آپ نے شمشیر عطا کی — مٹ جائیں گے جوہر جو ہمیں نے نہ وغا کی
ہم شیر ہیں شیروں کے قسم شیرِ خدا کی — حرمت میں شجاعت کی تو عزت میں وفا کی
قبضوں میں کمانیں رہیں ہتھیاروں سے کھیلے
بچپن میں جو کھیلے بھی تو تلواروں سے کھیلے

شہ نے کہا مرنا ہی اگر دل میں ہے ٹھانا — پہلے ہمیں میدان میں ہونے دو روانا
ہم ہو چکیں جب قتل تو تم مرنے کو جانا — اکبرؑ نے کہا کیا کہے گا مجھ کو زمانا
موقع ہے جدا پہلے مرا تیغ سے سر ہو
فرزند تو گھر میں رہے اور قتل پدر ہو

شہ نے کہا مانے گا بھلا باپ کا کب دل ۔ اکبرؓ سا پسر سامنے آنکھوں کے ہو بسمل
بیٹے نے کہا صبر کی چھاتی پہ رکھو سل ۔ حضرت نے کہا دل نہیں ہوتا متحمل
کی عرض کہ صبر آپ کا مشہور ہے بابا
حضرت نے کہا اب نہیں مقدور ہے بابا

اکبرؓ نے یہ کی عرض کہ یا حضرتِ شبیرؓ ۔ منظور ہے اعدا میں پھنسے اکبرؓ دلگیر
رسی سے گلا باندھیں مرا ظالم بے پیر ۔ گردن میں تو ہو طوق گراں پاؤں میں زنجیر
شہ نے کہا تقدیر سے چارہ نہیں بیٹا
پر قید ہو تم یہ بھی گوارا نہیں بیٹا

ناچار ہوئے باپ کی تقریر سے اکبرؓ ۔ آنکھوں میں بھرے اشک گئے خیمہ کے اندر
مادر نے بلائیں لیں کہا اے مرے دلبر ۔ کس بات پہ تم روتے ہو صدقے گئی مادر
مجھ سے کہو گر شہ کا ادب کرتے ہو بیٹا
کس چیز کو بابا سے طلب کرتے ہو بیٹا

کیوں روتے ہو ان نرگسی آنکھوں کے میں قرباں ۔ اس پیاس میں واری نہ کرو آپ کو ہلکان
مجھ سے کہو بیٹا کہ بجا لاؤں میں فرمان ۔ تابع مری مرضی کے ہو اے اکبرؓ ذیشان
تم سے تو زیادہ کوئی پیارا نہیں اکبرؓ
خفگی تری یہ ماں کو گوارا نہیں اکبرؓ

یہ کیا ہے کمر کھولے ہو کیوں مجھے بتلاؤ — تو غصّے کو جانے دو میں قربان گئی آؤ
اب اشکوں کو پونچھو مجھے اے لال نہ رلواؤ — حضرت کو بلاتی ہوں میں اک لحظہ ٹھہر جاؤ
پوچھوں گی کہا کیا جو مرا لال خفا ہے
آزردہ کیا تم کو مجھے شہ سے گلا ہے

اکبرؓ نے کہا رن کی اجازت نہیں ملتی — سب قتل ہوئے اور ہمیں رخصت نہیں ملتی (۴۷۰)
دکھ درد سے مر دے کے فراغت نہیں ملتی — ہوں جسکا طلبگار وہ دولت نہیں ملتی
افسوس کہ لڑ کے تو شریکِ شہدا ہوں
ہم والد ماجد پہ نہ میداں میں فدا ہوں

سُن کر یہ سخن رونے لگی بانوؓے دلگیر — دل سے کہا بن بیٹے کا اب کرنی ہے تقدیر
کچھ سمجھی تھی میں یاں تو ہے کچھ اور ہی تدبیر — کس طرح رضا مرنے کی دیں بیٹے کو شبیرؑ
اکبرؓ کی جدائی تو اُٹھائی نہیں جاتی
ہاتھوں سے یہ دولت تو گنوائی نہیں جاتی

اکبرؓ نے کہا کرتی ہیں گر آپ مجھے پیار — دلوا دو رضا مرنے کی اے مادرِ غمخوار
میں نے کبھی کچھ آپ سے مانگا نہیں زنہار — پر آج سفارش کا ہوں بابا سے طلبگار
بیٹے کی جوانی کا نہ اب غم کرو اماں
اکبرؓ کو نثارِ شہِ عالم کرو اماں

یہ ذکر تھا جو خیمے میں داخل ہوئے سرور — رونے لگے گردن کو جھکا کر علی اکبرؑ
کچھ بن نہ پڑی کہنے لگی بانوئے مضطر — روتے ہیں بڑی دیر سے ہمشکلِ پیمبرؐ
عزت تو مرے لال کی مشہور ہے صاحب
اب کیجیے وہی جو اسے منظور ہے صاحب

چھاتی سے لگا بیٹے کو بولے شہ ابرار — اے لال نہیں کرتے ہو تم بیکس و لاچار
لو روؤ نہ جاؤ سوئے میداں مرے دلدار — راضی بہ رضا ہم ہیں جو کچھ مرضیِ غفار
مادر کو تری صبر خدا دے ترے غم میں
درپیش یہی راہ ہے ہم کو کوئی دم میں

فرزند کا منھ دیکھ کے کہنے لگی مادر — کیوں اب تو ہوئے بانوؑ سے راضی مرے دلبر
ہمشکلِ پیمبر نے کہا گر کے قدم پر — کونین میں ممتاز ہوا آپ کا اکبرؑ
حضرت کی سفارش سے رضا مجھکو ملی ہے
بس بخشیے دودھ اب یہ تمنائے دلی ہے

بانوؑ نے کہا تم جو کہو گے وہ کروں گی — اے لال مرے سل صبر کی چھاتی پہ دھروں گی
دُکھ درد اُٹھاؤنگی مصیبت میں بھروں گی — پیارے میں تڑپ کر تری فرقت میں مروں گی
ماں صدقے گئی روؤ نہ بیٹا علی اکبرؑ
رخصت بھی کیا دودھ بھی بخشا علی اکبرؑ

حضرت زینبؑ و حضرت عباسؑ کی باتیں

بانوؑ نے یہ تقریر جو کی تھام کے رقت — اکبرؑ کی طرف دیکھ کے رونے لگے حضرت
فرمایا کہ اُنسے بھی تو لو مرنے کی رخصت — جس بی بی نے اٹھارہ برس کی ہے ریاضت

گو چپ ہے مگر اُسکو قلق ماں سے سوا ہے
تم پر مری ہمشیر کا حق ماں سے سوا ہے

زینبؑ نے کہا جسمیں رضائے شہِ عالی — میں نے تو کوئی بات نہیں مُنھ سے نکالی
کیا غم جو نہ پوچھا مجھے ماں سے تو رضا لی — مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی

صدقے کیے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

بچپن میں یہ چھاتی پہ مری کاہے کو سوئے — کب جاگی میں تا صبح جو یہ چونک کے روئے
کنگھی نہیں کی گیسوئے مشکیں نہیں دھوئے — ان کے لیے کب میں نے بسر ہاتھ سے کھوئے

کیوں روتے ہیں یہ کس لیے حضرت کو قلق ہے
حقدار میں کاہے کو مرا کون سا حق ہے

(۶۸۵) سی کر نئے کرتے انھیں کس روز پنہائے — اسپند کیا کب یہ کہیں جا کے جو آئے
رکھنی تھی میں کس دن انھیں دولہا سا بنائے — ناز انکے پھوپھی نے کبھی کاہے کو اُٹھائے

پوچھے تو کوئی گھٹنیوں جس روز چلے تھے
ان تلوؤں سے یہ دیدۂ نرگس نے ملے تھے

جب دودھ بڑھانے کا ہوا خیر سے ہنگام　　اس شادی کا کس نے کیا کہنے میں سرانجام
قرباں رہی اٹھارہ برس جو سحر و شام　　پوچھا بھی نہ - ہاں سچ ہے اب اُس بی بی سے کیا کام
کیوں انکی بلا لے کے نہ پہلے ہی مو ئی ہیں
سب لوگ تو ان کے ہوے کوئی نہ ہوئی ہیں
یا بے مرے پوچھے نہ کہیں جاتے تھے زنہار　　یا آج ہیں دنیا سے سفر کرنے کو تیار
اس فاقے میں باندھی کمر اور سج لیے ہتھیار　　مجبور رہیں پا کے یہ ایسے ہوے مختار
بھیجیں جو مسیں موت کا پیغام یہی تھا
آغازِ خطِ سبز کا انجام یہی تھا
خوش ہیں کہ رضا مرنے کی بی اپنے پدر سے　　الفت کے سبب بس نہ چلا ماں کا پسر سے
میں ساتھ ہی نکلوں گی ردا پھینک کے سر سے　　کس طرح سے جاتے ہیں بھلا جائیں تو گھر سے
دلبند کلیجے سے جدا میں نے کیے ہیں
اس لال پہ دو لال فدا میں نے کیے ہیں
اب تک مری آنکھوں سے ہوے ہیں کبھی اوجھل　　میں جیتی ہوں یہ جائینگے کیونکر سوے مقتل
بستی مری ویران ہو آباد ہو جنگل　　اٹھارہ برس کی ہے ریاضت کا یہی پھل
سرسبز ہو جو نخل اُکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اُجاڑا نہیں جاتا

(۱۹۰) مرنے کا نہ لیں نام مجھے آتا ہے وسواس زینبؑ نہیں جینے کی جو یہ بھی نہ رہے پاس
نہ عونؑ و محمدؑ ہیں نہ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ اب تو یہی میری ہیں مراد اور یہی آس
تیار جنازہ مرا کر لیں تو سدھاریں
ہاتھوں سے مجھے قبر میں دھر لیں تو سدھاریں

سن کر یہ سخن بی بیاں رونے لگیں ساری حضرت کے بھی اکبرؑ کے بھی آنسو ہوئے جاری
بانوئے دو عالم پہ یہ رقت ہوئی طاری غش ہو گئی اور ہوش میں آئی کئی باری
نہ دھیان سکینہؑ کا نہ اصغرؑ کی خبر تھی
زینبؑ پہ کبھی اور کبھی اکبرؑ پہ نظر تھی

بیٹے سے یہ فرمانے لگے قبلۂ عالم رخصت نہ ملے گی تمھیں کیوں کہتے نہ تھے ہم
دو چاند سے فرزند موئے ہیں ابھی بیدم مر جائے گی اس ستم رسیدہ کو نہ دو غم
ماں کی یہی مرضی یہی بابا کی خوشی ہے
زینبؑ کی خوشی حضرت زہراؑ کی خوشی ہے

لازم ہے کہ حقدار کے حق کو نہ بھلاؤ کہتی ہیں نہ جانے کو اگر یہ تو نہ جاؤ
خود چاہتے تھے ہم کہ رضا رن کی نہ پاؤ دن پھوپھی کے بھلنے کے ہیں کیوں برچھیاں کھاؤ
جان اپنی جوانی میں نہ دو باپ کے بدلے
امت پہ فدا ہونگے ہمیں آپ کے بدلے

لو مرنے کو ہم جاتے ہیں تم گھر سے خبردار — بہنوں سے خبردار برادر سے خبردار
لوٹے نہ کوئی آلِ پیمبرؐ سے خبردار — بنت اسداللہؑ کی چادر سے خبردار
کیوں روتے ہو اے لال جھکائے ہوئے سر کو
دیکھو تو ادھر اب تو نہ روکو گے پدر کو

جس وقت سنی حضرتِ زینبؓ نے یہ تقریر — روتی ہوئی قدموں پہ گری بھائی کے ہمشیر
کی عرض بصد عجز کہ یا حضرتِ شبیرؑ — صدقہ علی اکبرؑ کا مری بخشیے تقصیر
کیوں آپ ہوئے مستعدِ جنگ یہ کیا تھا
روکا تھا جو اکبرؑ کو وہ جھگڑا ہی جدا تھا

کیا اس لیے روکا تھا رہیں اکبرؑ ذیجاہ — اور تشنہ دہن آپ سدھاریں سوئے جنگاہ
حضرت تو ہیں واقف بہن ایسی نہیں یا شاہ — گر جان بھی کام آئے تو موجود ہے واللہ
بیٹے مرے کیا تھے علی اکبرؑ ہیں تو کیا ہیں
سو ایسے پسر گو کہ یہ زہراؑ کی فدا ہیں

اکبرؑ سے کہا لو مری جاں رن کو سدھارو — زینبؓ کا بڑا کام بگڑتا ہے سنوارو
جو دشمنِ اولادِ علیؑ ہیں انہیں مارو — اب حق یہی میرا ہے کہ سر باپ پہ وارو
اس طرح کے مرنے میں بڑا نام ہے بیٹا
ہاں شیروں کے بیٹوں کا یہی کام ہے بیٹا

تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرؑ ذیجاہ — دل تھام کے غش ہو گئی بنت اسد اللہؑ
کانپے فلک اس درد سے شبیرؑ نے کی آہ — ماں ڈیوڑھی تلک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

رجز رخصت ہوئے جب شہ سے علی اکبرؑ ذیشان — گھوڑے پہ چڑھے آپ کھلا رحل پہ قرآن
وہ رخش کی چھل بل وہ ضیائے رخِ تابان — اک برق چمکتی ہوئی پہنچی سرِ میدان
زردی رخِ خورشید پہ چھائی نظر آئی
پرتو سے زمیں رن کی طلائی نظر آئی

(۲۰۰) وہ شان وہ شوکت وہ تہور وہ جلالت — چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیر اصالت
طینت میں کرم طبع میں انصاف و عدالت — اقبال علیؑ شانِ شہنشاہ رسالت
دیکھا جو وہ رخ عرش کے سرتاج کو دیکھا
زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

لشکر کی صفیں آ کے نقیبوں نے جمائیں — دریائے بلا خیز کی موجیں نظر آئیں
اس طرح نہ سطریں کبھی صفحے میں سمائیں — تیغوں کی چمک تھی کبھی بالا کبھی پائیں
کثرت کے سبب سایہ کو جا گم نہ کہیں تھی
لشکر کی صفیں تھیں کہ زمیں چیں بہ جبیں تھی

یہ ناریوں سے گرم ہوا قتل کا میداں ملبوس بدن ٹھُنگ گئے تیغیں ہوئیں عریاں
گرمی سے نکالے تھے زباں خنجرِ بُرّاں اور صورتِ اژدر تھیں سنانیں شرر افشاں
اُٹھتا تھا دھواں یا کہ سیہ رنگ علم تھے
پھل برچھیوں کے آگ کے شعلوں سے نہ کم تھے

اطباقِ فلک گونجتے تھے فوج کے غل سے تھرّاتا تھا دل رعد کا آوازِ دہل سے
خارش کو جو کاوش تھی یداللہ کے گُل سے برگشتہ تھے ہمشکلِ شہنشاہِ رسل سے
ہر صف سے چلی تیغ ستم تشنہ دہاں پر
دو لاکھ جواں ٹوٹ پڑے ایک جواں پر

بڑھ بڑھ کے ستمگاروں نے بھالوں کو سنبھالا اور قبضہ پہ ہاتھوں کو سواروں نے بھی ڈالا
تلوار کو اکبر نے جو کمر سے نکالا دہشت سے ہوا عالمِ بالا تہ و بالا
غصے میں جو ابنِ خلفِ شاہِ نجف تھا
العظمت اللہ کا غل چار طرف تھا

یوں تیغ نے سر ناریوں کے تن سے اُتارے جس طرح اُڑیں شعلۂ آتش سے شرارے
تلوار تھی یہ برق کے انداز تھے سارے اک ضرب سے مرتا تھا تو دس خوف کے مارے
قبضے میں اُسی صاحبِ جوہر کے قضا تھی
آئی وہ اِدھر کو تو اُدھر جان ہوا تھی

کیا ہاتھ تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی
دم بھر میں نمودار صفیں ہو گئیں خالی
جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
ملتا تھا نشاں رن میں صفوں کا نہ پروں کا
تھا شور کہ مینھ آج برستا ہے سروں کا

اک برق سی گرتی تھی ہر اک دشمن جاں پر
گہہ سر پہ کبھی ڈھال پہ تھی گاہ سناں پر
ہر کش پہ کٹی سن سے کبھی گاہ کماں پر
کس طرح بھلا ذکر برش لاؤں زباں پر
دل سے کہیں جینے کی ہوس قطع نہ ہو جائے
دم بند ہے ڈر ہے کہ نفس قطع نہ ہو جائے

ایک ایک قدم سر پہ سر اور لاش پہ تھی لاش
ہر وار پہ گردوں سے صدا آتی تھی شاباش
ٹھہرے نہ قدم اڑ گئے جو تھے بر سر پرخاش
یوں چھپتے تھے جس طرح چھپے مہر سے خفاش
بجلی کی تڑپ فوج کو دکھلاتی تھی تلوار
مُند جاتی تھیں آنکھیں جو چمک جاتی تھی تلوار

کیا عزم تھا اللہ رے جری واہ ری ہمت
رستے میں نظر آئی جدھر نیزوں کی کثرت
پہونچا وہیں وہ شیر نیستان شجاعت
تلوار میں تھی برق جہاں سوز کی خصلت
اعدا کو سنبھلنے کی بھی فرصت نہ ذرا دی
معلوم ہوا آگ نیستاں میں لگا دی

ہر سو صفتِ برقِ اجل جاتی تھی تلوار — گہ سر پہ کبھی زیرِ بغل جاتی تھی تلوار (۱۰
جل جاتا تھا جس غول پہ چل جاتی تھی تلوار — ہر صف کو قلم کر کے نکل جاتی تھی تلوار
دل فوج کا جلتے ہوئے صحرا سے نہ کم تھا
میدانِ ستم آگ کے دریا سے نہ کم تھا

اس تیغ سے جو چار ہوا تھا وہ دو پارا — اور بچ گیا جو اُسکو ملی عمر دوبارا
غُل تھا کہ سوا بھاگنے کے اب نہیں چارا — صحرا میں چلو چھوڑ کے دریا کا کنارا
عالم کے ڈبو دینے کا ساماں کیا ہے
آبِ دمِ شمشیر نے طوفاں کیا ہے

اکثر جو صفِ جنگ میں بڑھ بڑھ کے لڑے تھے — جانوں کو چھپائے ہوئے وہ دور کھڑے تھے
رعب اُسنے یہ چھایا تھا بہادر جو بڑے تھے — زندہ تھے مگر خوف سے مردوں میں پڑے تھے
بازار سلاحِ حربی رن کی زمیں تھی
نیزہ کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں تھی

پہونچی جو چمک کر کسی ظالم کی سپر تک — بجلی سی سپر سے گئی وہ کاسۂ سر تک
اللہ ری صفائی نہ ہوئی اُسکو خبر تک — یہ سر سے گئی سینہ پہ سینے سے کمر تک
کاٹی کمر اس طرح سے دو کر کے زرہ کو
جس طرح کوئی کھول دے ناخن سے گرہ کو

(۱۴) بجلی سا ہر اک صف سے نکل جاتا تھا گھوڑا — تھا سایۂ زلفِ علی اکبرؑ اُسے کوڑا
سرکٹ کے گرا جس کا اُسے ٹاپ سے توڑا — ماتھے پہ لگے تیر پہ منھ اُس نے نہ موڑا
اُڑتا ہوا یوں فوج کے انبوہ سے نکلا
معلوم ہوا کبک دری کوہ سے نکلا

(۱۵) یہ صف ہوئی پامال تو اُس صف میں در آیا — طاؤس خیال اُس سے نہ سرعت میں بر آیا
یاں سے جو گیا واں تو اُدھر سے اِدھر آیا — نظروں سے چھپا گاہ تو گاہے نظر آیا
اُڑنے میں مہک گل کی تن صاف سے آئی
ہر غول میں غُل تھا کہ پری قاف سے آئی

سرعت میں تگ و دو میں چھلاوے سے زیادہ — باگ اُسکی تھی کیا جو دلِ راکب کا ارادہ
دریا پہ سمجھتا تھا ہر اک موج کو جادہ — تیار کفل تنگ، کمر سینہ کشادہ
شعلہ ہوا لیکا جو ذرا غیظ میں آکے
بجلی کی رگیں آگ کا دم پاؤں ہوا کے

جب خاک پہ جنگل میں قدم رکھتا تھا تن کے — سر اپنا پٹک دیتے تھے طاؤس چمن کے
رشکِ مہ نو گردنِ پُر نور کے منکے — جب جسم کے اُڑ جاوے تو اُڑے ہوش ہرن کے
پامال ہوا جاتا تھا دل کبک دری کا
گھوڑی کی اچانک کہ جھگڑا تھا پری کا

گر لاکھ مدد گردشِ ایام کو پہونچے   کب سرعتِ شبدیز شبک گام کو پہونچے
واں پہونچے یہ اور صبح نہ اتمام کو پہونچے   جس بن میں نسیم سحری شام کو پہونچے
وقفہ کبھی یہ اسپ شبک پے نہیں کرتا
خورشید بھی منزل کوئی یوں طے نہیں کرتا

گر آگ کہوں آگ یہ سرعت نہیں رکھتی   گر کہیے ہوا وہ یہ حرارت نہیں رکھتی
گر برق کہوں برق یہ جودت نہیں رکھتی   گر حور کہوں حور یہ صورت نہیں رکھتی
یاں قدر نہ بجلی کی نہ کچھ پیکِ صبا کی
بس خاتمہ اسپ پہ ہے کہ قدرت ہے خدا کی

۲۰۳ پریوں کی بھی اس طرح سواری نہیں چلتی   ان پھرتیوں سے بادِ بہاری نہیں چلتی
اس نور سے تلوار دودھاری نہیں چلتی   چلتے ہیں قدم یوں کہ کٹاری نہیں چلتی
دو گام بھی ساتھ اسکے فرس چل نہیں سکتا
اس طرح یہ چلتا ہے کہ بس چل نہیں سکتا

جس وقت وغا کا نہ رہا ایک کو یارا   خیمے سے نکل کر پسرِ سعد پکارا
دو لاکھ نے بھی مل کے نہ اک طفل کو مارا   اب چادریں اوڑھو کہ مٹا نام تمہارا
جی ہار دیا فوج نے عزت گئی سب کی
بے آب ہوئی آج سے تلوار عرب کی

مرحب کے مقابلہ بن

یہ سنتے ہی غیظ اک پلِ غدار کو آیا — میداں میں اُڑاتا ہوا رہوار کو آیا
کس غیظ سے تولے ہوئے تلوار کو آیا — دلبند ید اللہ سے پیکار کو آیا
کاندھے پہ سپر لب پہ سخن بے ادبی کے
ظالم کو عداوت تھی گھرانے سے نبی کے

رستم کی طرح اپنے تن و توش پہ غرّا — خورشید پہ غالب کبھی ہوتا نہیں ذرّا
بدکار جہاں حسن و لیاقت سے معرّا — گردن تھی ازل سے تو تمشیر تبرّا
پرہول ہو رستہ وہ سیہ رو جو گذر جائے
صورت وہ کہ عفریت جسے دیکھ کے ڈر جائے

وہ خود تہمتن سے بھی جسکا نہ اُٹھے بار — چار آئینہ اک قلعۂ فولاد کی دیوار
اژدر تو خود اور مار سیہ نیزۂ خونخوار — وہ گرز گراں سر جو کرے کوہ کو مسمار
خنجر وہ کہ مریخ کا رنگ اُڑتا تھا جس سے
ڈھال ایسی کہ تلوار کا منھ مڑتا تھا جس سے

(۲۵) کافر نے رجز پڑھ کے تکاور کو نکالا — اکبر بھی بڑھے چلنے لگا بھالے پہ بھالا
اژدر تھے زبانوں کو نکالے تہ و بالا — گردن کو لڑائے ہوئے تھا کالے سے کالا
پڑتی تھی سناں پر جو سناں دشتِ وغا میں
چنگاریاں اُڑتی نظر آتی تھیں ہوا میں

ہر طعن میں یاں بڑھ گئے واں اُڑ گئے رہوار
نقطہ یہ سمٹنے میں وہ پھر جانے میں پرکار
چوٹیں جو کئی کھا کے جھجکنے لگا غدار
نیزے کو اُڑا لے گیا نیزے سے یہ جرار
کیا بند بند سے لخت دلِ عقدہ کشا ہے
دیکھا تو سناں خاک پہ تھی ڈانڈ ہوا ہے

غصے میں کماں لیکے بڑھا کرشن دو بے پیر
سر پر تھا عقاب علی اکبرؑ صفت تیر
پنجہ تھا کہ سر پنجۂ ضرغام عدو گیر
غل تھا کہ زہے زور جگر گوشۂ شبیر
یا دیکھتی تھی فوج فرس کی تگ و دو کو
یا پنجۂ خورشید میں دیکھا مہِ نو کو

خفت ہوئی جھٹکے کئی ظالم نے جو کھائے
پیسے کبھی دانت اور کبھی ہونٹ چبائے
دو یاوہ ظفر شیر پہ کس طرح سے پائے
پھر گرد ہے خاک اُڑ کے اگر عرش پہ جائے
ہاں سر کا شرف پاؤں کو حاصل نہیں ہوتا
اسفل کبھی اعلےٰ کے مقابل نہیں ہوتا

اکبرؑ نے کہا خیر تھکا گر ہے تو دم لے
بے تیر سے بڑھتے وار کریں ہم تو قسم ہے
دم لے کے لبر اب میاں سے شمشیر و دم لے
کیا کرتے ہیں ہم دیکھ ذرا شیروں کے حملے
آخر جو ہو عقدۂ مشکل نہیں کھلتا
جب تک کہ تلوار کھنچے دل نہیں کھلتا

(۱۷۳۰) سرسبز کیا گلشنِ اسلام اسی نے — کعبے سے جدا کر دیے اصنام اسی نے
شاہوں کو دیے موت کے پیغام اسی نے — قبضے میں لیا روم سے تا شام اسی نے
کانپا کیے خاقانِ جہاں حرب سے اسکے
جاری ہوا سکہ کا چلن ضرب سے اسکے

جب تیزیٔ شمشیر زباں اسکو دکھائی — ٹھنڈا تو ہوا تھا یہ حرارت بھی کچھ آئی
تلوار علم کر کے جو ڈھال اس نے اٹھائی — معلوم ہوا تیرہ گھٹا کوہ پہ چھائی
خورشید ہوا زرد اڑی گرد یہ بن کی
گھوڑے کی تگاپو سے زمیں ہل گئی رن کی

تلواریں کھنچیں برچھیاں چمکیں علم اٹھے — گھوڑوں کے تگ و پو میں ہر ہر قدم اٹھے
نقارے کو گردوں پہ ملائک بہم اٹھے — گر گر کے ادھر خاک پہ شاہِ امم اٹھے
اکبر جو مقابل ہوئے اس ضالِ و مضل سے
شبیر قریب آ گئے بیتابیٔ دل سے

چلائے کہ اے میرے بہادر ترے قرباں — یہ پیاس کئی روز کی یہ دھوپ یہ میداں
کچھ یہ تو جنوں سے بھی قوی تر ہے مری جاں — اس دیو پہ اللہ ظفر دے تمہیں اس آں
کیا پیاس بہت ہے کہ پکارے نہیں جد کو
اب دل نہیں قابو میں ہم آتے ہیں مدد کو

رونے لگے اکبرؑ یہ صدا سُن کے پدر کی — جوڑے ہوئے ہاتھوں کو رخ شہ پہ نظر کی
کی عرض دعا بس ہے شہ جن و بشر کی — اسوقت نہیں پیاس قسم آپ کے سر کی
غازی ہیں الم تشنہ دہانی کا نہیں ہے
اس شغل میں کچھ دھیاں بھی پانی کا نہیں ہے

حضرت نے کہا خیر خدا حافظ و ناصر — جرأت میں نہ تم کم ہو نہ میں صبر میں قاصر
یہ بیکس و بے پر ہے مدد کرنے کو حاضر — دب جائے گا ادنیٰ سے بھی ادنیٰ ہے یہ کافر
تیور کہیں چھپتے ہیں شجاع ازلی کے
اعلیٰ سے تم اعلیٰ ہو کہ پوتے ہو علیؑ کے

ہاں دہنی طرف آنے نہ دیجو اسے زنہار — گھوڑے کو بڑھائے ہوئے روکے رہو تلوار
مغرور تن و توش پہ اپنے ہے یہ غدّار — خود منھ کے بل آئے گا جو خالی گئے دو وار
دشمن جو لڑے جم کے تو پھر لطف غزا ہے
ہاں تھام لو باگ اسکے فرس کی تو مزا ہے

یہ سُن کے بڑھا جنگ کو وہ شیر نرینہ — پہنچا تھا جسے زور علیؑ سینہ بسینہ
شوکت وہی سب تھی وہی حملے کا قرینہ — شبدیز پہ تھے آپ کہ خاتم پہ نگینہ
یوں سینہ کشادہ گئے اُس عہد شکن پر
جس طرح جھپٹتا ہے کبھی شیر ہرن پر

تن سے جو وہ تلوار گئی تن سے پھر آئی — وہ خود سے مثنی ہوئی گردن سے پھر آئی
وہ کھنچ کے سپر سے گئی جوشن سے پھر آئی — وہ صدر سے خالی گئی توسن سے پھر آئی
ہاں بعدِ علیؑ کم ہوئی جنگ و جدل ایسی
غُل تھا کبھی دیکھی نہیں رد و بدل ایسی

غصّے میں جو سفاک نے کی رخش کو مہمیز — شہزادے کے گھوڑے کے قریب آگیا شبدیز
بس تھام لی اکبرؑ نے عنانِ فرسِ تیز — جھجکا تھا وہ گھوڑا کہ چلی تیغ شرر ریز
ہوش اُڑ گئے اُس بانیِ بیداد و ستم کے
سر کٹ کے گرا فرق پہ چالیسؓ قدم کے

(۲۴۰) تازی کی عناں چھوڑ کے اک ہاتھ جو مارا — چاروں سُمِ رہوار گئے صاف تضارا
گھوڑا جو گرا دشتِ ستم ہل گیا سارا — بس چور ہوا پس کے فرس سے ستم آرا
دکھلا دیا صفدر نے جو ارشادِ پدر تھا
نہ پاؤں تھے گھوڑے کے نہ اسوار کا سر تھا

ڈرتے تھے کہ پیشانیِ انور پہ لگا تیر — سب خوں سے بھری احمدِ مختار کی تصویر
لکھا ہے کمیں میں تھا کوئی ظالمِ بے پیر — برچھی جو لگی سینہ پر حالت ہوئی تغیر
اللہ ری شجاعت کہ نہ ابرو پہ بل آیا
پھل اُسنے جو کھینچا تو کلیجا نکل آیا

ٹکڑے جو بہے خوں کے وہ ڈیڑے میں جگر کے　　غش ہو گئے سر گردنِ رہوار پہ دھر کے
نزدیک سے پھر وار چلے تیغ و تبر کے　　سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ٹکڑے ہوئے سر کے
تلواریں تھیں یا آپ تھے یا سر پہ خدا تھا
جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

جس وقت ہوا دینے لگا زخم جگر کا　　سینے میں رُکا آ کے دم اُس تشنہ تر کا
گرتے ہوئے گھوڑے سے خیال آیا پدر کا　　چلّائے کہ اب کوچ ہے دُنیا سے پسر کا
بیکس کی مسافر کی مدد کیجیے بابا
اپنے علی اکبرؑ کی مدد کیجیے بابا

بیٹے کی صدا سُن کے ہوا صدمۂ جانکاہ　　اک ہُوک کلیجے میں اُٹھی بیٹھ گئے شاہ
معلوم ہوا جان چلی آہ کے ہمراہ　　دل تھام کے ہاتھوں سے کہا یا اسداللہؑ
ماں باپ کے جینے کا مزا لے گئے بیٹا
عہدہ جو تمہارا ہے ہمیں دے گئے بیٹا

اٹھارواں یہ سال یہ غربت یہ جوانی　　یہ شان یہ اقبال یہ شوکت یہ جوانی
دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت یہ جوانی　　یوں خاک ہوئی ہائے یہ صورت یہ جوانی
کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربیؐ سے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

بے آئی جو بیتابیِ دل لاشِ پسر کو — جھکنے میں نظر پہلے پڑی زخمِ جگر پر
اک تیر لگا قلبِ شہِ جن و بشر پر — سینے پہ کبھی ہاتھ کو مارا کبھی سر پر
اوپر کے دم اُس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا
بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

ہونٹوں پہ زباں منہ پہ عرق خاک پہ گیسو — پتھرائی ہوئی آنکھ کٹے تیغوں سے ابرو
گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو — چہرے پہ لہو گالوں پہ ڈھلکے ہوئے آنسو
یہ زیرِ لب آواز کہ آقا نہیں آئے
نزدیک اجل آ گئی بابا نہیں آئے

اے دردِ جگر تھم کہ شہِ بحر و بر آئیں — اے جان نہ گھبرا شہِ جن و بشر آئیں
اے روح توقف شہِ والا ادھر آئیں — اے موت ٹھہر جا پدر آئیں پدر آئیں
ارمانِ دلِ زار یہ سب ہوش میں نکلے
حسرت ہے کہ دم باپ کی آغوش میں نکلے

چلائے شہِ دیں علی اکبرؑ پدر آیا — اُٹھو مرے پیارے مرے دلبر پدر آیا
تم ڈھونڈتے ہو جسے لو وہ پدر آیا — ناشاد پدر بیکس و بے پر پدر آیا
کچھ دل کی کہو بات کرو ہوش میں آؤ
صدقے پدر آؤ مری آغوش میں آؤ

منہ کھولے ہو کیوں تیر کو گردن سے نکالوں گر درد ہو نہ ہاتھ سے بازو کو سنبھالوں
گرتا ہے پہاڑ اسکو میں کس طرح سے ٹالوں مرتے اسے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں

تہ تیغ کے لہو میں جگر آتا ہے تمھارا
سینے سے کلیجا نظر آتا ہے تمھارا

اکبرؑ نے سُنی غش میں جو یہ باپ کی زاری بیتابیِ شبیرؑ پہ آنسو ہوئے جاری
رو کر کہا بابا سے کہ رخصت ہے ہماری جینے کے نہیں زخم کلیجے پہ ہے کاری

کبراؑ کو سکینہؑ کو برادر کو نہ دیکھا
افسوس کہ مرتے ہوئے مادر کو نہ دیکھا

یاں آئے ہیں لینے کو مرے خلد سے حیدرؑ کس پیار سے دیتے ہیں مجھے ساغرِ کوثر
دادی مرے پہلو میں کھڑی پیٹتی ہیں سر اور شور ہے حوروں میں کہ ہے ہے علی اکبرؑ

ہیں گرد مری لاش کے روحیں شہدا کی
آتی ہے صدا گریۂ محبوبِ خدا کی

یہ کہتے تھے جو درد ہوا چھاتی میں ناگاہ آغوش میں بابا کی تڑپنے لگا وہ ماہ
اک آہ کی اور گلشنِ فردوس کی لی راہ چلائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ذیجاہ

لب تشنہ جہاں سے سوئے کوثر گئے بیٹا
یہ باپ تو جیتا رہا تم مر گئے بیٹا

اے لال کہاں سے تمھیں اب ڈھونڈ کے لاؤں بتلاؤ تو کس منھ سے میں اب خیمے میں جاؤں
پوچھے تمھیں بانو تو میں کیا اُسکو بتاؤں مرنے کی خبر بیٹے کی کیا ماں کو سُناؤں

ماتم میں ہمیں اپنے رولایا علی اکبرؑ
تم نے مرا لاشہ نہ اُٹھایا علی اکبرؑ

×(۵)×

شہادت حضرت علی اصغرؑ

جب دولتِ سرورؑ پہ زوال آگیا رن میں	جس گُل پہ تصدق تھے وہ مرجھا گیا رن میں (۱
آنکھوں کا جو تھا نور وہ کھویا گیا رن میں	جینے کا جو باعث تھا وہ مارا گیا رن میں

ماں باپ کو سہرا ابھی نہ اکبرؑ نے دکھایا
پیری میں عجب داغ مقدر نے دکھایا

یوں باپ کی قسمت کو اُلٹتے نہیں دیکھا	اس طرح مقدر کو پلٹتے نہیں دیکھا
یوں بڑھ کے کسی سرو کو گھٹتے نہیں دیکھا	اس عمر کا پودا کوئی کٹتے نہیں دیکھا

نازوں کے دعاؤں کے مرادوں کے پلے تھے
واحسرت و دردا ابھی پھولے نہ پھلے تھے

افسوس نہ کچھ عمر نے اکبرؑ کے وفا کی	پورے وہ جواں بھی نہوے تھے کہ قضا کی
کیا دخل ہے بندے کو مشیت میں خدا کی	ماں کہتی تھی مجھ سے علی اکبرؑ نے دغا کی

کچھ بس نہ چلا آ گئے یوں موت کے بس میں
پیدا ہوے اور مر گئے اٹھارہ برس میں

ہوتا ہے برابر کا پسر قوّتِ بازو آرام جگر راحتِ جاں زینتِ پہلو
ایسا پسرِ ماہ لقا صفدر و خوش خو مرجائے تو کیا دل پہ رہے باپ کا قابو
گر پڑتے ہیں اُٹھ اُٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیر
چلتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیر

دل کا ہے تقاضا کہ تڑپنے کی رضا دو کہتا ہے جگر خوں مرا آنکھوں سے بہا دو
سر کھینچا ہے نالوں نے کہ گردونکو ہلا دو شہ کہتے ہیں یاد اب علی اکبرؑ کی بھلا دو
مختار کا جو حکم ہو کچھ جبر نہیں ہے
اس زخم کا مرہم کوئی جز صبر نہیں ہے

(۲۶۰) فدیہ ہوا فرزند جواں شکر کی جا ہے خوشنود ہے ربِ دو جہاں شکر کی جا ہے
لب پر نہیں فریاد و فغاں شکر کی جا ہے گردن سے گیا بار گراں شکر کی جا ہے
جو ہم کو عطا کی تھی وہ دولت اُسے پہونچی
فارغ ہوے ہم اُسکی امانت اُسے پہونچی

رونے سے ملے گر علی اکبرؑ تو میں روؤں چھاتی سے لپٹ جائے وہ دلبر تو میں روؤں
آباد ہو اجڑا ہوا پھر گھر تو میں روؤں رونے سے یہ دولت ہو میسر تو میں روؤں
پر کھوے ہوے لال کو پاتے نہیں دیکھا
دنیا سے گیا جو اُسے آتے نہیں دیکھا

منھ کر کے سوئے چرخ یہ فرماتے تھے ہر بار   عالم مری نیت سے ہے تو اے مرے مختار
گھر سے نہ علاقہ ہے نہ بچوں سے سروکار   ہر حال میں ہوں تجھ سے اعانت کا طلبگار
گو شاہ زمیں ہوں پہ ترے گھر کا گدا ہوں
محتاج ہوں بیکس ہوں غریب الغربا ہوں

کس کس ترے احساں کا کروں شکر زباں سے   ہے ناطقہ عاجز کہ زیادہ ہے بیاں سے
واقف نہیں کوئی ترے اسرار نہاں سے   دشوار ہے عالم کی صفت ہیچمداں سے
پیاس آج کے دن کی مجھے مرغوب ہے مولا
جو تیری مشیت ہے وہی خوب ہے مولا

ہر دم ہے ترا لطف مرے حال کے شامل   پیدا کیا واں وحی جہاں ہوتی تھی نازل
بخشا وہ مکاں رشک کو جسے خالق عادل   بے اذن ملک جس میں نہ ہو سکتے تھے داخل
یہ لطف و عنایت ہے تری کون سے گھر پر
جبریل و سرافیل کھڑے رہتے تھے در پر

نانا وہ دیا اشرف ذریت آدم   بابا شہ مرداں سا دیا فخر دو عالم ۷۵
ماں سیدہ کون و مکاں ثانی مریم   بھائی وہ کہ تو جسکی بزرگی سے ہے محرم
دنیا میں کسی اور کا رتبہ ہے کب ایسا
نام ایسا گھر ایسا نسب ایسا حسب ایسا

ماں طاہرہ جد طیب و پاکیزہ پدر پاک   رحمت سے تری کیوں نہوں ایسوں کے پسر پاک
گلشن کی زمیں پاک شجر پاک ثمر پاک   گھر پاک جگہ پاک صدف پاک گہر پاک
پھولے وہ شجر جسکو ثمردار کرے تو
جس قطرے کو چاہے دُرِ شہوار کرے تو

کیا عمر تھی جب سر سے اُٹھا باپ کا سایا   دو بھائی تھے دو بہنیں تھیں اور دیس پرایا
تو تھا جو نگہباں تو نہ اعدا نے ستایا   ماں باپ کا مرنا تری شفقت نے بھلایا
رحمت سے تری خلق کے مختار ہوئے ہم
دیکھی جو یتیمی دُرِ شہوار ہوئے ہم

فرزند وہ امداد کیا حور شمائل   تھی جسکی زیارت کے سبب روشنیِ دل
خورشیدِ زمیں برجِ شرف کا مہِ کامل   یہ بھی تری امداد تھی اے خالقِ عادل
دولت یہ نہ ملتی جو خداوند نہ دیتا
کیا کرتا اگر تو مجھے فرزند نہ دیتا

اکثر ترے بندے ہیں کہ جنکے نہیں اولاد   نے فاتحہ خواں کوئی نہ فرزند نہ احفاد
کتنے ہیں کہ غمگیں ہیں کبھی اور کبھی شاد   بچے ہوئے اور مر گئے اور گھر ہوا برباد
مرتے ہوئے دیکھا ہے برابر کے پسر کو
اس داغ کی قدر آج ہوئی میرے جگر کو

ستو مرتے جو فرزند تو بے صبر نہ ہوتا — خادم کبھی اس اجر کو ہاتھوں سے نہ کھوتا (۷۰)
دامن کو ترے خوف میں اشکوں سے بھگوتا — اکبرؑ کو میں فرزند سمجھ کر نہیں روتا
یوں تو وہ کلیجا تھا مرا اور مرا جی تھا
میں اس لیے روتا ہوں کہ ہم شکل نبیؐ تھا

بچھڑا تھا کبھی مجھ سے نہ وہ گیسوؤں والا — پیری کا عصا تھا وہی اور گھر کا اُجالا
جب چاند سی چھاتی پہ لگا ظلم کا بھالا — تھا سینے میں خادم کا کلیجہ نہ دبالا
اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں تفتیدہ جگر ہوں
تو رحم کر اے خالق اکبر کہ بشر ہوں

دریا پہ جو عباسؑ نے جان اپنی گنوائی — خادم کی کمر ٹوٹ گئی مر گیا بھائی
باعث تھا یہ لاشے پہ جو رقت بہت آئی — مولا مجھے یاد آ گئی بابا کی جدائی
صدمے سے نہ پھر ضبط کا یارا ہوا مجھ کو
پھر داغ یداللہ دوبارا ہوا مجھکو

تنہا ہوں بس اب کوئی نہیں مونس و ہمدم — موجود ہے تو سر پہ کچھ اسکا بھی نہیں غم
اب رنج نہ گھر کا ہے نہ اولاد کا ماتم — بہتر ہے گزر جائے تری یاد میں جو دم
وابستہ تسبیح رکھوں رشتۂ جاں کو
جبتک ہے دہن میں حرکت خشک زباں کو

باتیں تھیں ادھر شکر کی اور صبر و رضا کی — بندھتی تھیں صفیں ان میں ادھر اہلِ جفا کی
ناگاہ ہوئی خیمے میں اک سوم بکا کی — سمجھے شہِ مظلوم کہ اصغرؑ نے قضا کی
فرمایا کہ یارب کہیں جلدی اجل آئے
تڑپایا یہ دلِ زار کہ آنسو نکل آئے

(۴۴۵) ڈیوڑھی کے قریب آکے یہ شبیرؑ پکارے — جیتے ہیں کہ اصغرؑ سوئے فردوس سدھارے
فضہؑ نے کہا اے اسد اللہؑ کے پیارے — معصوم کا دم ہونٹھ پہ ہے پیاس کے مارے
سنبھلے ہیں کچھ اب پہلے تو گردن بھی ڈھلی تھی
جلد آئیے لونڈی تو بلانے کو چلی تھی

روتے ہوئے خیمے میں شہِ بحر و بر آئے — خوش ہو کے سکینہؑ نے کہا لو پدر آئے
بانوؑ کو جو شبیرؑ اکیلے نظر آئے — چلائی کہ میداں سے نہ اکبرؑ ادھر آئے
لونڈی نے بڑی دیر سے دیکھا نہیں اُن کو
صاحب مرے لُٹنے کی خبر کیا نہیں اُن کو

کہدے کوئی مرتے ہیں علی اصغرؑ گلفام — لائیں جو کہیں سے اُنھیں پانی کا ملے جام
حضرت نے کہا اُنکو کسی سے نہیں اب کام — جاگے تھے کئی رات کے اب کرتے ہیں آرام
ہم خوارِ محن میں ہیں وہ گلزارِ جناں میں
واماندوں کی لیتا ہے خبر کون جہاں میں

فرما کے یہ گہوارۂ اصغرؑ پہ جھکے شاہ
دیکھا جو دم اُکھڑا تو ہوا صدمۂ جانکاہ
خورشید لبِ بام نظر آیا جو دہ ماہ
رانڈوں کے جگر ہل گئے اس درد سے کی آہ

چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے مُنھ پہ
شبیرؑ نے مُنھ رکھ دیا فرزند کے مُنھ پہ

چلاتی تھی بکھرائے ہوئے بالوں کو مادر
دولت مری لُٹتی ہے اُجڑتا ہے مرا گھر
فریاد ہے اے بخت دلِ ساقیِ کوثر
آنکھیں بھی جھپکتی نہیں اب تو علی اصغرؑ

کیا ہو گیا اس صاحبِ اقبال کو میرے
ہے ہے لیے جاتی ہے اجل لال کو میرے

گودی میں لیا شاہ نے گھبرا کے پسر کو
لپٹا لیا خورشید نے چھاتی سے قمر کو
خیمے سے چلے لیکے جو اُس نورِ نظر کو
غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو

سمجھی کہ یہ اب جا کے نہ پھر آئینگے رن سے
فرزند چلا کیا کہ چلی جان بدن سے

اشک آنکھوں سے بہنے لگے دل غم سے بھر آیا
گہوارۂ بے شیر جو خالی نظر آیا
رقت کا ہوا جوش کہ مُنھ کو جگر آیا
رنگ اُڑنے لگا تیر کلیجے میں در آیا

گہوارے پہ سر دھر کے جو غش کر گئی بانوؑ
ہر لی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی بانوؑ

سب بیبیاں چلا کے جو کرنے لگیں زاری　　گھبرا کے اُٹھی اور یہ حضرتؓ کو پکاری
یا سبطِ نبیؐ تن سے چلی جان ہماری　　اک لحظہ ٹھہر جائیے میں آپ کے واری
صاحب مری آغوش کے پالے کو دکھا دو
اک بار پھر اس ہنسلیوں والے کو دکھا دو

حضرت نے کہا شوق سے بے شیر کو دیکھو　　لو آ کے پھر اس چاند سی تصویر کو دیکھو
بیتاب ہو کیوں اصغرؓ دلگیر کو دیکھو　　کیا صبر کیا ہے دلِ شبیرؓ کو دیکھو
موت آج جو آئی ہے تو چارا نہیں صاحب
کیا لال تمہارا ہمیں پیارا نہیں صاحب

تم ماں ہو بڑے دکھ سے ہے تم نے اُسے پالا　　ہے حق بطرف گر ہو کلیجا تہ و بالا
پر جان ہماری بھی ہے یہ گیسوؤں والا　　ہر طرح مگر صبر کیا دل کو سنبھالا
خوشنود ہیں وہ عشق ہے اللہ سے جن کو
اکبرؓ کو فدا کر کے لیے جاتا ہوں ان کو

(٨٥) میں انکو نہ بچاؤں اگر ہے تمہیں وسواس　　دوری علی اکبرؓ سے ہوئی یہ تو رہیں پاس
اب تو ہے ہماری یہی امید یہی آس　　اور اسکے سوا پانی کے ملنے سے بھی ہے یاس
لو چلتی ہے میداں میں ہوا سرد نہیں ہے
وہ لوگ ہیں واں جمع جنہیں درد نہیں ہے

دھڑکا ہے کہ بے رحم کہیں تیر نہ ماریں　　شرمندہ ہوں تم سے جو یہ کوثر کو سدھاریں
واں تیز ہیں میرے لیے تلواروں کی دھاریں　　غل ہے کہ حسینؑ آئیں تو سر تن سے اُتاریں
قاتل ہیں وہ اکبرؓ کے تو سجادؓ کے دشمن
ہیں مجھ سے زیادہ مری اولاد کے دشمن

نیزہ علی اکبرؓ کو مرے سامنے مارا　　پانی کو ترستا ہوا دنیا سے سدھارا
ہیں دشمنِ اولادِ علیؓ وہ ستم آرا　　اس کو بھی کریں قتل تو کیا زور ہمارا
غم ہو کہ عبث لا کے جگر بند کو کھویا
تم دل میں کہو باپ نے فرزند کو کھویا

برگشتہ ہے تقدیر مخالف ہے زمانا　　دشوار ہے اب جا کے مرا خیمے میں آنا
سچ کہتی ہو تم انکا مناسب نہیں جانا　　الفت ہے اگر ہمسے تو آنسو نہ بہانا
دُکھ درد رنڈاپے کا بھی سہ لیجیو بانوؓ
جو کہتا ہے اللہ سے کہہ لیجیو بانوؓ

لو گود میں فرزند کو اللہ نگہبان　　ہر حال میں زینبؓ کی اطاعت کا رہے دھیان
بانوؓ نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو میں اس آن　　لونڈی سے خفا کچھ ہوے میں آپکے قربان
یوں آپ جسے چاہیے دے جائیے اُن کو
کب میں نے کہا تھا کہ نہ لیجائیے اُن کو

(۴۹۰) میں بھی ہوں کنیز آپ کی یا حضرت شبیرؓ — ہر دُکھ میں رضا جوئے خدا تا بہ تقدیر
بیتاب تھا دل کی ہو جو بیجا کوئی تقریر — ہیں آپ خطا پوش بحل کیجیے تقصیر

فرزند کا غم ماں کے کلیجے کو چھُری ہے
صدقے گئی یہ آتما کی آنچ بُری ہے

خنجر کے تلے جس کا جگر ہو وہی جانے — اس درد کی جس دل کو خبر ہو وہی جانے
دُکھ درد میں یوں جسکی بسر ہو وہی جانے — آغوش میں جس ماں کی پسر ہو وہی جانے

شب کٹتی ہے کس طرح سے دن ڈھلتا ہے کیونکر
پوچھے کوئی ماں سے کہ پسر پلتا ہے کیونکر

پہلو میں ہو یا گود میں یا چھاتی پہ سوئے — دھڑکا ہے کہ بچہ کہیں بے چین نہ ہوئے
پلتا ہے پسر ایک جو ماں عمر کو کھوئے — جس نے یہ اُٹھائی ہو مصیبت وہ نہ روئے

ماں چپ رہے اور گود سے جائے پسر ایسا
صاحب کوئی لے آئے کہاں سے جگر ایسا

ہیں آپ کے صدقے مرے ماں باپ بھی قرباں — یہ خادمۂ خاص تو ہے تابع فرماں
خوشنود ہوں لیجائیے انکو سوئے میداں — کچھ میں نے کہا مر گئے جب اکبرؑ ذیشاں

ہاں صبر خدا دے یہ دعا کیجیو صاحب
نام اُنکا جو اب لوں تو گلا کیجیو صاحب

شہ بولے یہ کیا کہتی ہو اے بانوئے دلگیر — واللہ بدل تم سے رضامند ہے شبیر
دخل اس میں نہ میرا نہ تمہاری کوئی تقصیر — صاحب انھیں دریا پہ لیے جاتی ہے تقدیر

واجب ہمیں ہر حال میں خوشنودی رب ہے
اکبر گئے جس جا وہیں انکی بھی طلب ہے

۲۵ لو گود میں لے کر انھیں چھاتی سے لگاؤ — بس صبر کرو اشک آنکھوں سے بہاؤ
بھاری کوئی کرتا علی اصغر کو پنھاؤ — اکبر کے جو بچپن کا عمامہ ہو وہ لاؤ

دولھا سا بناؤ کہ یہ میدان چڑھے گا
تم شکر کرو آج کہ دودھ ان کا بڑھے گا

یہ سن کے کہا ماں نے کہ آ آ مرے پیارے — سرمہ بھی دیا بال بھی سب سر کے سنوارے
کپڑے تھے جو بھاری وہ پنھائے یہ اُتارے — رو کر کہا لو جاؤ میں قربان تمہارے

جھک جھک کے جو فرزند کا منھ یاس سے دیکھا
ماں کو علی اصغر نے عجب یاس سے دیکھا

مادر سے اشارا تھا کہ دنیا سے چلے ہم — افسوس کہ اس باغ میں پھولے نہ پھلے ہم
گودی میں تمہارے چھ مہینے تو پلے ہم — اب تشنہ دہن جاتے ہیں طوبیٰ کے تلے ہم

کیوں روتی ہو کچھ رونے سے حاصل نہیں اماں
یہ دار محن رہنے کے قابل نہیں اماں

بچّے کو لیے گھر سے جو نکلے شہِ والا — تھی دھوپ میں تیزی کہ ہرن ہوتا تھا کالا
نکلا تھا کبھی گھر سے نہ وہ ہنسلیوں والا — داماںِ عبا چہرۂ فرزند پہ ڈالا
روتا تھا تو چھاتی سے لگا لیتے تھے شبیرؑ
ہر گام پہ داماں سے ہوا دیتے تھے شبیرؑ

یوں کہنے لگا دیکھ کے آپس میں ستمگر — یہ کیا ہے جو ہاتھوں پہ لیے ہیں شہِ صفدر
بولا کوئی ہے زیرِ عبا مصحفِ داور — تا صلح کریں ہم سے اسے بیچ میں دے کر
معلوم ہوا جنگ سے گھبراتے ہیں شبیرؑ
قرآں کو شفاعت کے لیے لاتے ہیں شبیرؑ

(٨٠٦) بولا کوئی بیدرد نہیں یہ نہیں اصلا — ہے صابر و شاکر پسرِ حضرتِ زہراؑ
سادات پہ اس دشت میں ہے تیسرا فاقا — بیجاں ہوا ہوگا کسی سیدانی کا بچا
اشک آنکھوں میں ہیں چاک گریباں کیے ہیں
میت کسی معصوم کی شبیرؑ لیے ہیں

سن کر یہ کلام اٹھ کے پکارے شہِ عادل — تم تو نہ سمجھ کے نہ قرآں کے ہو قائل
میت ہے نہ قرآں ہے یہ اے فرقۂ جاہل — یہ مصحفِ ناطق کے گلے کی ہے حمائل
دیکھو مری مظلومی و اندوہ و قلق کو
لے آیا ہوں زہراؑ کے صحیفے کے ورق کو

اعدا سے ارشاد

یہ چھوٹا سا سید بھی ہے مہمان تمہارا — کیا تم کو ملے گا جو اسے پیاس سے مارا
یہ فرش کی زینت ہے تو ہے عرش کا تارا — میرا بھی جگر بند ہے ماں کا بھی ہے پیارا
کچھ پانی کے بدلے تمہیں لینا ہو تو کہہ دو
دریا سے جو قطرہ کوئی دینا ہو تو کہہ دو

طالب ہو اگر زر کے تو زر لیجیو مجھ سے — قطرے کے عوض لعل و گہر لیجیو مجھ سے
پانی دو اسے خلد میں گھر لیجیو مجھ سے — خالی ہو اگر نہر تو بھر لیجیو مجھ سے
معصوم ہے بے آب کبھی جی نہ سکے گا
اک جام تو یہ تشنہ دہن پی نہ سکے گا

مارا جنھیں برچھی سے انھیں کا ہے یہ بھائی — اٹھارہ برس کے تھے وہ جن کی اجل آئی
یہ لال ہے میرا چھ مہینے کی کمائی — مر جائے گی ماں گر ہوئی اس سے بھی جدائی
بہنوں کی یہ ہے جان تو پھوپھیوں کا جگر ہے
مر جانے میں اسکے کئی جانوں کا ضرر ہے

میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ پانی مجھے لا دو — تم آن کے چلو سے اسے آپ پلا دو
مرتا ہے یہ مرتے ہوئے بچے کو جلا دو — شدت کلیجے کی مرے آگ بجھا دو
جب منہ مرا تکتا ہے یہ حسرت کی نظر سے
اے ظالمو اٹھتا ہے دھواں میرے جگر سے

بجھتی نہیں جب آگ کلیجے میں لگی ہو — جانے وہی اولاد خدا نے جسے دی ہو
سوچے وہ قضا جسکے جگر بندے کی ہو — انصاف کرے دل پہ چھُری جسکے چلی ہو

غمگیں ہو تو سوزِ نفسِ سرد کو سمجھے
جس دل میں نہو درد وہ کیا درد کو سمجھے

اولاد کی فرقت کوئی پوچھے مرے جی سے — بیٹے کی محبت کوئی پوچھے مرے جی سے
یہ دکھ یہ مصیبت کوئی پوچھے مرے جی سے — اس درد کی لذت کوئی پوچھے مرے جی سے

اک یادِ الٰہی تو فراموش نہیں ہے
یہ جوش ہے غم کا کہ مجھے ہوش نہیں ہے

میں خوب سمجھتا ہوں کہ ہو ظلم کے بانی — یہ کیا ہے کہ پھر تم سے طلب کرتا ہوں پانی
جاں اپنی میں دیتا ہوں جو بچ جائے یہ جانی — مرجاؤں میں پیاسا کہ بجھے تشنہ دہانی

جب سوئے عدم خلق سے مُنھ موڑ کے جاؤں
حسرت ہے کہ دُنیا میں اسے چھوڑ کے جاؤں

یہ کہہ کے اُٹھایا رخِ بے شیر سے دامن — چہرے کی تجلّی سے جہاں ہو گیا روشن
دیکھی جو ہیں وہ چاند سی ڈھلکی ہوئی گردن — کیا ذکر بھلا دوست کا رونے لگے دشمن

ہر چند کہ سب ظالم و جلاد تھے اُنمیں
تھرا گئے جو صاحبِ اولاد تھے اُنمیں

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا — دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا — بولا کوئی ایماں بھی گیا دین بھی کھویا
یوں پھول کوئی دھوپ میں مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

بولا کوئی کیا پانی کے دینے میں ضرر ہے — معصوم ہے مظلوم ہے اور تشنہ جگر ہے
بولا کوئی بچہ تو ہے پر دھیان کدھر ہے — دشمن اسے سمجھو کہ یہ دشمن کا پسر ہے
پچھتائے گا کل آج جو پانی اسے دے گا
یہ طفل جواں ہو کے عوض باپ کا لے گا

تب شمر پکارا کہ ہمیں رحم نہیں ہے — یہ غنچہ دہن کیا علی اکبرؑ سے حسیں ہے
حضرت نے کہا یہ تو مرے دل کو یقیں ہے — اس فوج میں ایک ایک شقی دشمن دیں ہے
بے صبر نہیں ہوں گو کہ گرفتار قلق ہوں
حجت نہ رہے کوئی کہ میں حجت حق ہوں

یہ سن کے بڑھا صف سے لعیں کاہل بے پیر — پیاسے علی اصغرؑ کے ہوئی قتل کی تدبیر
جوڑا ستم ایجاد نے چلے میں ادھر تیر — چھاتی تلے بچے کو چھپانے لگے شبیرؑ
چلاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتا ہے ظالم
بچے کو جو تاکا تو خطا کرتا ہے ظالم

کب سنتا تھا فریاد کسی کی ستم آرا　　اک تیر ستم تاک کے معصوم کو مارا
ڈھلکی ہوئی گردن پہ لگا تیر قضا را　　بس چونک پڑا سہم کے وہ باپ کا پیارا
اشک آنکھوں سے شبنم کی طرح رخ پہ ڈھل آئے
ننھے سے انگوٹھے بھی دہن سے نکل آئے

(۵۱۵) گھبرا کے مرے کو جو لگے کھینچنے سرور　　سب خون سے کرتا بھی شلوکا بھی ہوا تر
تھرانے لگے ننھے سے وہ بازوئے انور　　ڈھیلے ہوئے ہاتھوں سے کڑے پھر گئے تیور
بیتابی میں شہ بیٹھ گئے خاک پہ ہٹ کر
وہ غنچہ دہن مر گیا بابا سے لپٹ کر

ہاتھوں پہ جو مردہ اسے شبیرؑ نے پایا　　آہ دل مظلوم نے گردوں کو ہلایا
تھرائے ہوئے ہاتھوں پہ میت کو اٹھایا　　کی عرض کہ اب تک تو میں صابر ہوں خدایا
محتاج نہ پانی کا نہ خواہاں ہوں مدد کا
طالب ہوں فقط مغفرت امت جد کا

امت کے گناہوں سے مجھے ہے خطر و بیم　　ناموں پہ انھیں کے ہو ثواب اس کا بھی تقسیم
آئی یہ ندا ان پہ کسی کو نہیں تقدیم　　بخشا انھیں اے راہبر جادۂ تسلیم
گھبرا نہ انھیں اجر گراں مایہ ملے گا
فردوس میں سب کو ترا سایہ ملے گا

سُن کر یہ سخن شاد ہوئے سبطِ پیمبر
اصغرؑ کو لیے آئے سوئے لاشۂ اکبرؑ
چھوٹے کو بڑے بھائی کے پہلو میں لٹا کر
چلائے کہ ہاتھ اپنا دھرو اے مہِ انور

بعد آپ کے ہم دشت میں پھر آج لُٹے ہیں
ہشیار کہ یہ پہلے پہل ماں سے چھُٹے ہیں

جنگل میں درندوں سے برادر کو بچانا
گر روئیں تو بیٹا انھیں چھاتی سے لگانا
کوثر پہ جو پہونچو گے تو پیاس انکی بجھانا
بھیجیو انھیں دادی کی جو تسلیم کو جانا

مثلِ گُلِ تر پیاس سے مرجھائے ہوئے ہیں
گردن نہ دُکھے تیرِ ستم کھائے ہوئے ہیں

(۵)

شہادت حضرتِ امامؑ

(۸۲۰) دنیائے بے ثبات

دُنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جسمیں
وہ گل ہے یہ گُل بوے محبت نہیں جسمیں
وہ دوست ہے یہ دوست مروت نہیں جسمیں
وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جسمیں
بے دردِ والم شامِ غریباں نہیں گذری
دُنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش
گُل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بسرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو جو چھپر کھٹ میں تو تابوت میں دن کو

کرتا نہیں غُربت میں کوئی آ کے مددگار
گر ساتھ گیا ہے تو کوئی قبر کی حد تک
پھر آتے ہیں روتے ہوئے پہونچا کے لحد تک
وہ خانۂ تاریک میں تنہائی ابد تک
نہ دوست نہ احباب نہ ہم بزم گئے ہیں
تنہا یہ ہیں شاہانِ اولو العزم گئے ہیں

جو خلق میں تھے صاحبِ تخت و علم و تاج | نوبت یہ ہوئی ہے کہ نشاں اُنکے نہیں آج
شاہانِ جہاں فخر سے دیتے تھے جنہیں باج | وہ قبر میں ہیں سورۂ الحمد کے محتاج
سکّہ ہے نہ وہ اور نہ وہ تاج و نگیں ہیں
دولت تو خزانے میں ہے خود زیرِ زمیں ہیں

اولاد کا گلشن نہ عزیزوں کا چمن ساتھ | یاور نہ مصاحب نہ محبانِ وطن ساتھ
نہ مال نہ فرزند نہ بھائی نہ بہن ساتھ | دُنیا کے کُل اسباب سے ہوتا ہے کفن ساتھ
آجاتی ہے واں موت جہاں گھر نہیں ہوتا
بہتوں کو کفن تک بھی میسر نہیں ہوتا

آرام کے خوگر کو ہے سختی کی کہاں تاب | شب کو جو اندھیرا ہو تو ہو جاتا ہے بیخواب
تربت میں کہاں راحت و آرام کا اسباب | جز داغِ جگر روشنیِ شمع ہے نایاب
گھبرائے کہ وحشت ہو کہیں جا نہیں سکتا
کروٹ بھی بدلنے کی جگہ پا نہیں سکتا

صحبت تھی شب و روز کی جن سے وہ کہاں پاس | ہمدرد جو حسرت تو مصاحب الم و یاس
وہ قبر کا ڈر پرسشِ اعمال کا وسواس | اُس مُلک سے دُنیا میں پھر آنے کی نہیں آس
دکھلائیں تزک چاروں افلاک کے نیچے
سب شاہ و گدا ایک سے ہیں خاک کے نیچے

کیا اُنکو خبر جو کہ مکانوں میں مکیں ہیں ۔ خویش و پسر و ہمدم و احباب قریں ہیں
مارے کی مرقد سے وہ آگاہ نہیں ہیں ۔ پوچھے کوئی اُن لوگوں سے جو زیرِ زمیں ہیں
مٹی کے تلے دن کو بسر ہوتی ہے کیونکر
شب ہوتی ہے کس طرح سحر ہوتی ہے کیونکر

شادی ہو کہ اندوہ ہو آرام ہو یا جور ۔ دُنیا میں گذر جاتی ہے انساں کی بہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے عشرت کا کبھی دور ۔ ہے شادی و ماتم کا مرقع جو کرو غور
کس باغ میں آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کونسا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

ہے عالمِ فانی کی عجب صبح عجب شام ۔ گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام ۔ واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

(۳۰ م) ریتے پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر ۔ شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر ۔ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

جب خیمے میں رخصت کو شہِ بحر و بر آئے — چلائی سکینہؑ مرے بیکس پدر آئے
حضرتؑ کو جو ناموسِ پیمبرؐ نظر آئے — رو کر کہا ہم قبر میں اصغرؑ کو دھر آئے

لو بیبیو شبیرؑ جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہؑ کا لال چراغِ سحری ہے

تنہا ہوئے کس طرح نہ ہم مرنے کو جائیں؟ — قاسمؑ ہیں کہ عموں کے عوض خوں میں نہائیں
عباسؑ ہیں جو نہر پہ ہاتھ اپنا کٹائیں؟ — اکبرؑ ہیں کہ بابا کے عوض برچھیاں کھائیں

یاور کوئی جز بیکسی و یاس نہیں ہے
اصغرؑ بھی موئے اب تو کوئی پاس نہیں ہے

تم سب کو کیا خالقِ اکبر کے حوالے — زہراؑ کے حوالے کیا حیدرؑ کے حوالے
سب گھر ہے مرا عابدِؑ مضطر کے حوالے — ہے میری سکینہؑ مری خواہر کے حوالے

ماتم میں مرے نالہ و فریاد کرے گی
بہلائیو جس دم وہ مجھے یاد کرے گی

سب بیبیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر — تھرائی ہوئی غش سے اٹھی شاہ کی ہمشیر
ایک ایک کا منھ تکنے لگی با لبِ دلگیر — سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھی مری تقدیر

میں سمجھی تھی بڑا سا مجھے یہ دیں گے لیسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہِ جن و بشر کا

(۱۲۵) اُجڑی تھی مری کوکھ موا تھا مرا جایا | اس آنچ نے تھا دل بھی کلیجا بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا | پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبرؐ | باتیں نہ کرو یاس کی اے زوجۂ مضطر
دُنیا میں سدا رہتا ہے فرزند نہ شوہر | کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور رہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا | منصف ہو تمہیں زیور و زر کس نے دیا تھا
یہ نخلِ تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا | ہمشکل محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اُسی کی
بخشش بھی اُسی کی یہ عنایت تھی اُسی کی

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار | بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبتِ کار | بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اُسکی امانت تھی وہ سب دے کے چلے ہیں
کچھ لیکے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

دُنیا میں اسیری کی بلا سخت ہے ہر چند — لازم ہے رہو سلسلۂ صبر کے پابند
مرجاتے ہیں جو چھوڑ کے اپنے زن و فرزند — پلتے نہیں کیا خلق میں اُن لوگوں کے فرزند

کر دیتا ہے آسان ہر اک رنج و محن کو
کچھ دور نہیں دیکھ لو اولادِ حسنؑ کو

کیا عمر تھی فرزندوں کی جب اُٹھ گئے بھائی — پروان چڑھے پرورش اس لطف سے پائی
قاسمؑ کو کوئی روک سکا جب اجل آئی — وہ آج لُٹی چھوڑ گئے تھے جو کمائی

شادی نہیں رہتی ہے سدا غم نہیں رہتا
دُنیا کا کبھی ایک سا عالم نہیں رہتا

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار — ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
تنہا ہیں کہ بیجان ہوئے دو چاند سے دلدار — دُنیا سے گیا اکبرؑ ناشاد سا غمخوار

بیٹے بھی نہیں گود کا پالا بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

بانوؑ سے یہ فرما چکے جب حضرت شبیرؑ — حسرت سے نظر کی طرف زینبؑ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر — منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر

دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

تم فاطمہ زہراؓ کے طریقے سے ہو آگاہ — ہر شخص کو در پیش ہے اک روز یہی راہ
زینبؓ نے کہا صدقے بہن اے شہ ذی جاہ — بے آپ کے مرجائے گی بنتِ اسد اللہ
جو حکم ہو کچھ منھ سے نہ ہمشیر کہے گی
نہ کُھنہ ہرنزا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

دس عمر میں تھوڑے غمِ جانکاہ اُٹھائے — اشک آنکھوں سے اماں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے — ٹکڑے دلِ شبرؓ کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجا مرا پتھر نہیں بھائی

(۵۴۲۵) ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا — دشوار ہے اک آن مسافر کو ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گذرنا — ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

منھ سینے پہ رکھے جو بلکتی تھی وہ دلگیر — ہر آہ تھی حضرت کے کلیجے کے لیے تیر
سر چھاتی سے لپٹائے ہوئے کہتے تھے شبیرؓ — بس صبر کرو غش کہیں آجائے نہ ہمشیر
بیٹھی ہو بہم بھر علی اکبرؓ کے الم میں
کیا جان گنوا دو گی بہن بھائی کے غم میں

گر مر گئیں ہو جائے گا گھر اور بھی خالی — صدمے سے جیے گی نہ سکینہؑ مری بالی
ہو میرے یتیموں کی تمہیں پالنے والی — صابر جو ہیں ملتا ہے انہیں رتبۂ عالی
ایسا تو کسی کو غمِ تنہائی نہ ہوگا
اللہ تو سر پر ہے اگر بھائی نہ ہوگا

وہ حمد کے لائق ہے سزاوارِ ثنا ہے — ہے اسکو بقا اور ہر اک شے کو فنا ہے
راحت نہیں دنیا میں کہ یہ دارِ فنا ہے — آدم کا بدن خاک میں ملنے کو بنا ہے
ہے کون بزرگوں میں کرو دھیان اسی کو
دنیا میں نہ چھوڑے گی بہن موت کسی کو

عالم میں جو تھے فیض کے دریا وہ کہاں ہیں — جو نورِ خدا سے ہوئے پیدا وہ کہاں ہیں
ہم سب سے جو تھے افضل و اعلےٰ وہ کہاں ہیں — پیدا ہوئی جنکے لیے دنیا وہ کہاں ہیں
جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا
جب احمدِ مرسل نہ رہے کون رہے گا

(۵۰) ہے کل کی ابھی بات کہ آباد تھا کیا گھر — جس در پہ گدا آن کے ہوتے تھے تونگر
وہ مجمعِ احباب وہ دربارِ پیمبرؐ — وہ فاطمہؑ کا جاہ و حشم شوکتِ حیدرؑ
بے اذن چلا آئے یہ مقدور تھا کس میں
یا آج وہی گھر ہے کہ خاک اڑتی ہے جس میں

اکدن تھا کہ عشرت کے مہیا تھے سب اسباب — یا ایک یہ دن ہے کہ خوشی ہو گئی نایاب
وہ وقت، وہ آرام، وہ بھائی، وہ احباب — معلوم یہ ہوتا ہے کہ دیکھا تھا کبھی خواب
آج اوروں کے ہم مرنے پہ فریاد کریں گے
کل اور اسی طرح ہمیں یاد کریں گے

کیا آگے بہن کے کوئی مرتا نہیں بھائی — برسوں جو رہے وصل تو اکدن ہے جدائی
لٹ جاتی ہے اک آن میں برسوں کی کمائی — جاتی نہیں بے جان لیے جب اجل آئی
ملتا نہیں پھر خلق سے جو جاتا ہے زینبؑ
رونے سے مسافر کہیں پھر آتا ہے زینبؑ

برسوں رہے ماتم میں پیمبرؐ کو نہ پایا — جبدن سے جدائی ہوئی حیدرؑ کو نہ پایا
تڑپا کیے لیکن کبھی مادر کو نہ پایا — یوں چھوٹے کہ پھر ہم نے برادر کو نہ پایا
جب سینے میں مضطر دل بے صبر کو دیکھا
گھر سے گئے روتے ہوئے اور قبر کو دیکھا

غربت میں کبھی تم سے بچھڑتا نہ برادر — کیا کیجیے تقدیر جدا کرتی ہے خواہر
پردیس میں برباد ہوں بچے کہ لٹے گھر — بندہ ہوں اطاعت سے نہ موڑوں گا کبھی سر
بہتر ہے وہی جسمیں رضامندی رب ہو
کیا عذر ہے سرکار میں جس وقت طلب ہو

زندہ ہوں تو آخر کبھی مرتا کہ نہ مرتا
آتی نہ اجل سر جو تہ تیغ نہ دھرتا
پیمانہ مری عمر کا آخر کبھی بھرتا
گھر میں بھی جو ہوتا تو سفر خلق سے کرتا
پر آج کے مرنے میں بہن اور مزا ہے
خوشنودی معبود ہے اُمّت کا بھلا ہے

ہمشیر کا غم ہے کسی بھائی کو گوارا
مجبور ہے لیکن اسد اللہ کا پیارا
تیغ غم فرقت سے کلیجا ہے دو پارا
کس سے کہوں جیسا مجھے صدمہ ہے تمہارا
اس گھر کی تباہی کے لیے روتا ہے شبیرؓ
تم چھٹتی نہیں ماں سے جدا ہوتا ہے شبیرؓ

مر کر بھی نہ بھولوں گا میں احسان تمہارے
بیٹوں کو بھلا کون بہن بھائی پہ وارے
پیارا نہ کیا اُنکو جو تھے جان سے پیارے
بس ماں کی محبت کے یہ انداز ہیں سارے
فاقے میں ہمیں برچھیاں کھانے کی رضا دو
بس اب یہی الفت ہے کہ جانے کی رضا دو

لو جاتے ہیں ہمشیر خدا حافظ و ناصر
اب جسم ہے اور تیر خدا حافظ و ناصر
اے بانوئے دلگیر خدا حافظ و ناصر
ہے رخصت شبیرؑ خدا حافظ و ناصر
کیوں دور کھڑی روتی ہو یاں آؤ سکینہؓ
پھر باپ کی چھاتی سے لپٹ جاؤ سکینہؓ

اے عابدِ بیمار و حزیں گھر سے خبردار　　اے جانِ پدر آلِ پیمبرؐ سے خبردار
ماں رانڈ ہے اب رانڈ کی چادر سے خبردار　　مارے نہ طمانچہ کوئی خواہر سے خبردار
مشکل ہو جو اُمت پہ تو حل کیجیو بیٹا
تحریر پہ بابا کی عمل کیجیو بیٹا

(۸۶۰) یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوشِ پسر میں　　بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں　　غش ہو گئی زینبؑ یہ اُٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر　　کج کی طرف دوشِ نبیؐ گردنِ انور
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر　　کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر
حرمت ترے محبوب کی دُنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل اُن کی تباہی میں پڑی ہے

یارب ہے یہ سادات کا گھر تیرے حوالے　　رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
جس کا ہے یہ بیمار پسر تیرے حوالے　　سب ہیں مرے دریا کے گُہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

یہ کہہ کے گریبانِ مبارک کو کیا چاک   اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور میں کچھ خاک
میّت ہوئے شبیرؑ کفن بن گئی پوشاک   بس فاتحہ خیر پڑھا با دلِ غمناک
مُڑ کر نہ کسی دوست نہ غمخوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

تنہائی میں ایک ایک کو حضرت نے پکارا   کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا!
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا   اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غُل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرش بریں پر

پہونچا جو درِ خانۂ زیں تک قدمِ پاک   تھرا کے جھکا سر بہ زمیں توسنِ افلاک
گھوڑے پہ چڑھا لختِ دلِ سیّد لولاکؐ   جبرئیلِ امیں ساتھ ہوئے تھام کے فتراک
کس منھ سے کہوں حُسنِ نشستِ شہِ دیں کو
معلوم ہوا جڑ دیا خاتم پہ نگیں کو

تھا زینِ فرس رحل تو قرآن شہِ والا   وہ تختِ ہوا تھا تو سلیمانؑ شہِ والا
وہ دوشِ صبا بوئے گلستاں شہِ والا   وہ بُرجِ شرف نیّرِ تاباں شہِ والا
بوئے گُل کی نسیمِ سحری لے کے چلی ہے
غُل تھا کہ سلیمانؑ کو پری لے کے چلی ہے

ہے عام کو مرغوب بہت وصفِ سراپا — حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا — جو شے ہے سراپائے شہِ دیں میں سو یکتا
خورشید خجل رخ سے قمر اس کفِ پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نورِ خدا سے

سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اسمیں سرِ مو — تو پیچ میں کیا ہو صفتِ کاکل و گیسو
اُس زلف کی ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو — نہ مشک میں نہ عنبرِ سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دمِ تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

ہر مو ہے رگِ ابرِ کرم یا رگِ جاں ہے — یا ہے یہ شبِ قدر کہ قدر اسکی عیاں ہے
یا سنبلِ پیچیدۂ گلزارِ جناں ہے — یا آہِ دلِ حضرتِ زہراؑ کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہِ شہدا کی
دو راتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی

(۸۷) پیشانی نورانی فرزندِ پیمبرؐ — ہے مطلعِ نورِ آیتِ نورِ اقدس و اطہر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر — دوں ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے برابر نہیں ہوتا

اُن ابروؤں کو کہیے جو شمشیرِ ہلالی کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضموں نہیں عالی
تشبیہ مہِ نو کی جو کاہش سے نکالی دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو و فلکِ حسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے

نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عائد یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلٰے کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

کس مُنہ سے بیاں کیجیے وصفِ لبِ شبیرؑ جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لعل کی توقیر پتھر نے کہاں پائے یہ اعجاز یہ تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر اُنکی جو شیریں سخنی کا
غیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا دینی زباں پر کوئی کیا لائے الماس و گہر جنکی چمک دیکھ کے شرمائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے افلاک تو اس طرح کے اختر نہیں دکھلائے
ہے فوق اُنھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

(۸ تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار — یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
اعجاز سے خالی نہیں حُسنِ شہِ ابرار — دیکھو تو ادھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اُجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

وہ ریشِ مخضب وہ رُخِ سیّدِ والا — ہے چاند نے مُنھ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخِ پاک پہ ہالا — تھا صبح پہ دامن شبِ معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف بھی لہرائی ہوئی ہے
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

حضرت نے نظر کی جو سوے قومِ ستمگر — دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہِ صفدر — فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں یہ دریا ہے کہ لشکر
دُنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر

جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّے میں کماندار — اک سینے کی خاطر یہ تردد ہے تو بیکار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجرِ خونخوار — پامالی تو اک جسم کی اور اس قدر اسوار
دستِ ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائینگے کہاں تک

بچپن تھا مرکب تہِ راں برق کی تمثال | ہر مرتبہ چمکارتا تھا فاطمہؑ کا لال
کہتے تھے ستمگار نہ ہے حشمت و اجلال | دیکھو تو ذرا شوکتِ شبیرؑ خوش اقبال

لب تشنہ کئی دن شہِ مظلوم رہے ہیں
پر شیر سے میداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر | حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر | میں یوسفؑ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر

واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

نانا وہ کہ ہیں جنکے قدم عرش کے سرتاج | قوسین مکاں ختم رسل صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جسکی شفاعت کے ہیں محتاج | باپ ایسا صنمخانوں کو جسنے کیا تاراج

لڑنے کو اگر حیدرؑ صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینے کو سپر کرکے نہ آئے | کس مرحلۂ صعب کو سر کرکے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کرکے نہ آئے | تھی کون سی شب جسکو سحر کرکے نہ آئے

تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اُس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا — بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے پہ بجز خاک نہ ہوتا — ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

میں صاف ہوں اب بھی مرے کہنے کو جو مانو — بہکے ہو کدھر دیں کا رہبر مجھے جانو
پچھتاؤ گے تم قتل مرا دل میں نہ ٹھانو — بیکس کا بدن ظلم کے تیروں سے نہ چھانو
پیارا ہوں جگر گوشۂ فخرِ دو جہاں کا
دلبند ہوں میں سیّدِ قوسین مکاں کا

(٨٨٥) حاصل تمہیں کیا گر مرے بچے ہوئے برباد — اجڑی ہوئی بستی کو بشر کرتے ہیں آباد
کیا نشۂ دولت ہے کہ بھولی ہے مری یاد — فریادرسِ خلق کی سنتے نہیں فریاد
للہ کرو پاس رسولِ عربی کا
زہرا مری مادر ہے میں نواسا ہوں نبی کا

بالفرض نہ سمجھو مجھے دلبندِ پیمبر — کعبہ کا مسافر تو ہوں میں بیکس و بے پر
حاجی مرے ہونے میں تامل ہے تمہیں گر — شبیر مسلماں تو ہے اے قوم ستمگر
امت کا محمد کی ہوا خواہ تو ہوں میں
یہ بھی نہیں اک بندۂ اللہ تو ہوں میں

تم نے تو بلایا بھی نہ تھا آپ میں آیا — جنگل میں مدینے سے مقدر مجھے لایا
کھانا بھی کھلایا مجھے پانی بھی پلایا — دعوت بھی مری ہو چکی آرام بھی پایا

مشتاق مدینے کی حکومت کا نہیں میں
رخصت کرو اب بھی تو نکل جاؤں کہیں میں

جس شہر کو کہدو میں اسی شہر کو جاؤں — بستی جو نہ ممکن ہو تو جنگل کو بساؤں
لکھوا لو شکایت کا سخن لب پہ جو لاؤں — مجرم جو قلمرو میں تمھارے کبھی آؤں

سختی بھی اُٹھاؤں گا مصیبت بھی سہونگا
رازق ہے خدا جا کے پہاڑوں میں رہوں گا

ممکن نہیں جو چھوڑوں کبھی کہسار کا داماں — پھیرا ہے تم لوگوں کا اور میرا گریباں
اسباب بھی لے لو مجھے کیا چاہیے ساماں — اب عمر بھی آخر ہے کوئی دن کا ہوں مہماں

ممکن نہیں جینا مرا اس رنج و الم میں
سُن لیجیو مر جاؤں گا فرزندوں کے غم میں

دنیا میں نشاں کفر و ضلالت کا نہ گاڑو — شہ ستوں کعبۂ دیں کا نہ اکھاڑو
خالق کی بنائی ہوئی صورت نہ بگاڑو — عادل کی بسائی ہوئی بستی نہ اجاڑو

گو آج زبردست ہو یا صاحب زر ہو
مرنا بھی تو اک دن ہے مقرر کہ بشر ہو

یہ سُن کے لعینوں نے کہا شاہِ امم سے
جانے دیں کہیں آپ کو یہ ہوگا نہ ہم سے
اکدم میں گلا کاٹیں گے شمشیرِ دو دم سے
زینبؑ کو ملے گی نہ اماں قید ستم سے

حاکم سے خجل ہوں یہ نہیں کام ہمارا
سر کاٹ کے لیجائیں تو ہو نام ہمارا

حضرتؑ نے کہا خوب جواب اسکا دیا واہ
وہ کام کرو جسمیں رضامند ہو اللہ
حاکم جسے کہتے ہو تمہارا ہے وہ بدخواہ
بہکاتا ہے بیدیں کے جہنم کی نہ لو راہ

وعدہ ہے جو کچھ وہ بھی نہ تم پاؤ گے یارو
دیکھو مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے یارو

گر زعم میں تم سب کے گنہگار ہے شبیرؑ
ناموس محمدؐ کی ہے پھر کون سی تقصیر
ان بیبیوں کی شان میں ہے آیۂ تطہیر
مریمؑ سے زیادہ مری بہنوں کی ہے توقیر

لازم ہے کہ سادات کی امداد کرو تم
اے ظالمو اس گھر کو نہ برباد کرو تم

چلا کے یہ تب کہنے لگا شمرِ ستمگار
ہاں ہاں ہمیں کچھ آج نہیں دیں سے سروکار
وہ کرتے ہیں تک ہم جسمیں ملیں درہم و دینار
گر جان بچانی ہے تو رکھ دیجئے ہتھیار

بیعت کا یہ قصہ ہے فساد اور نہیں ہے
بچنے کا سوا اس کے کوئی طور نہیں ہے

بے درد نے چھڑکا جو نمک زخمِ جگر پر
طاری ہوا غصہ شہِ مرداں کے پسر پر
سرخی سی نظر آنے لگی دیدۂ تر پر
کی تیز نظر قبضۂ شمشیرِ دو سر پر
شہ کی نظرِ غیظ نہ تھی قہرِ خدا تھا
شمشیرِ یداللہ جب از میان جدا تھا

خود تیغِ علیؑ شاہ کے اعجاز سے نکلی
فریادِ دلِ قوم دغاباز سے نکلی
کس شان و تجمل سے کس انداز سے نکلی
پریوں کے بھی ہوش اڑ گئے اس ناز سے نکلی
فانوس سے خود شمعِ تجلی نکل آئی
محمل سے تڑپتی ہوئی لیلیٰ نکل آئی

وہ غیظ وہ نعرہ وہ چمکتی ہوئی تلوار
گویا تھا مجسم غضبِ حضرتِ قہار
اتنا تو پکارے کہ خبردار خبردار
ڈھالیں نہ اٹھیں تھیں کہ گری برقِ شرربار
گرمی سے ہوا میں شرر اڑتے نظر آئے
جھونکا تھا غضب کا کہ سر اڑتے نظر آئے

اک آگ سی تھی چار طرف شعلہ فشاں برق
وہ برق کہ خود مانگتی تھی جس سے اماں برق
یاں موج تو واں سیل جو یاں ابر تو واں برق
منھ زہر ہر برش قہر بدن آگ زباں برق
سرکش تھا جو ناری یہ جلاتی تھی اسی کو
لوہے پہ جو گرتی تھی تو کھاتی تھی اسی کو

ٹھکر کبھی ٹھہری کبھی لچکی کبھی چمکی — سر گر گئے گردن جدھر اُس تیغ نے خم کی
سیدھی صفِ دشمن کو ملی راہ عدم کی — سیفی تھی کہ گویا دمِ شمشیر پہ دم کی
دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گروں کی
تھی مینھ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

(۹۰۰) تھا صورتِ آئینہ تمام اُسکا بدن صاف — خوں پیتی تھی پر دیکھیو تو منھ صاف دہن صاف
چلتی تھی جو سن سن یہ نکلتا تھا سخن صاف — ہوں میں تو وہ جاروب کہ کر دیتی ہوں رن صاف
نااہل ہیں نامرد ہیں ناپاک ہیں اعدا
میں برقِ غضب ہوں خس و خاشاک ہیں اعدا

تھا دور تلک خون سے اُس فوج کے رن سُرخ — پھولا ہوا تھا تیغ کے اک پھل سے چمن سُرخ
چہرے تو سیہ کاردنکے تھے زرد بدن سُرخ — تھی تیغِ دو پیکر کی زباں سُرخ دہن سُرخ
بے وجہ نہ منھ لال تھا اُس عربدہ جو کا
بیڑا وہ اُٹھائے ہوئے تھی خونِ عدو کا

مغفر سے جھلم تک گئی گردن میں در آئی — گردن سے سرکنا تھا کہ جوشن میں در آئی
جوشن سے گذرنا تھا کہ بس تن میں در آئی — تن سے ابھی گذری تھی کہ توسن میں در آئی
بچتا کوئی کیا تیغِ قضا رنگ کے نیچے
اک برقِ غضب کوند گئی تنگ کے نیچے

قبضہ تھا کہ تھا چہرۂ پُر قہر قضا کا | نا میں تھیں کہ دھارا تھا وہ دریائے فنا کا
باڑھ ایسی کہ رخ پھر گیا ڈھالو نکی گھٹا کا | لپٹہ وہ کہ پی جائے لہو اہلِ جفا کا
طغرے کی جگہ یا اسد اللہ لکھا تھا
جوہر میں انا سیفِ یداللہ لکھا تھا

پھیری کبھی گہہ خوں میں نہا کر نکل آئی | ٹھہری کبھی غوطہ کبھی کھا کر نکل آئی
کاٹی جو زرہ موج میں جا کر نکل آئی | منجدھار سے دو ہاتھ لگا کر نکل آئی
کیا ڈر اُسے طوفاں کا جو چالاک ہوا ایسا
جب باڑھ پہ دریا ہو تو پیراک ہوا ایسا

غصّے میں گئی اور غضبناک پھر آئی | افلاک پہ چمکی تو سوئے خاک پھر آئی
بے خوف سروں سے گئی بیباک پھر آئی | غل ہوتا تھا ہر سو کہ وہ سفاک پھر آئی
خالق کا غضب خلق میں کہتے ہیں اسی کو
یہ مرگِ مفاجات نہ چھوڑے گی کسی کو

دم بھر نہ ٹھہرتی تھی عجب طرح کا دم تھا | نیزے پہ جسے ناز تھا سر اسکا قلم تھا
ناگن میں نہ یہ زہر نہ افعی میں یہ سم تھا | یہ فتح کی جویا تھی قد اسی واسطے خم تھا
بد اصل تکبر کے سخن کہتے ہیں اکثر
جو صاحبِ جوہر ہیں جھکے رہتے ہیں اکثر

زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اُسے کہنا — معشوق بنی سرخ لباس اُسنے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا — جوہر تھے کہ پہنے تھی دولہن پھولوں کا گہنا
سیب چمنِ خلد کی بو باس تھی بغل میں
رہتی تھی وہ شبیرؑ سے دولھا کی بغل میں

سر ٹیکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہونچے — قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہونچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہونچے — خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہونچے
دوزخ کی زبانوں سے بھی آنچ اُسکی بُری تھی
برچھی تھی کٹاری تھی سروہی تھی چھری تھی

موجود بھی ہر غول میں اور سب سے جدا بھی — دم خم بھی لگاوٹ بھی صفائی بھی ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی پانی بھی ہوا بھی — امرت بھی ہلاہل بھی مسیحا بھی قضا بھی
کیا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جسکا وہی صرف تھا اُس کا

پہونچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا — ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا (۹۱۰)
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا — تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

لکھا ہے اُدھر تھا ابنِ قطبہ کوئی سردار
مرحب کی طرح سرکش و زور آور و جرّار
اور چار ہزار اہلِ ستم کا تھا وہ سردار
شمشیر تھی اُسکی دمِ اژدر دمِ پیکار
کینہ تھا اُسے سبطِ رسولؐ عربی سے
مارا گیا تھا اُسکا پدر دستِ علیؑ سے

کس غیظ سے آیا سرِ میداں وہ ستمگر
ڈوبا ہوا فولاد کے دریا میں سراسر
جوں دیدۂ افعی تھے عیاں خود کے جوہر
سُرخ آنکھیں بھرا منہ میں کف اور دیو سا پیکر
فولادی سپر دوش پہ چار آئینہ بر میں
اک تیغ کھنچی ہاتھ میں اک تیغ کمر میں

اسپِ دو رکابہ بھی قوی ہیکل و چالاک
نیزے کو دھرے دوش پہ مرکب کے غضبناک
زنجیروں سے باندھے کمرِ نحس کو ناپاک
ابرو پہ تکبّر سے گرہ خود سر و بے باک
دو سو تھے زرہ پوش ستمگر کے جلو میں
اور بیکسی تھی سبطِ پیمبر کے جلو میں

گھوڑے سے یہ بولا پسرِ شاہِ ولایت
فاقہ پہ تو فاقہ ہے یہ ہے وقتِ رفاقت
ہاتھوں سے کہا آج دکھا دو ہمیں طاقت
قدموں سے کہا بڑھ کے نہ ہٹنا کسی صورت
ہم ہوں گے نہ دنیا میں یہ انصاف رہے گا
اس جنگ کا غل قاف سے تا قاف رہے گا

(۹۱۵) گھوڑے نے کہا جان ہے جبتک تمہیں ہمراہ   طاقت ہے کہ تو پشت پہ ہے اے شہِ ذیجاہ
ہاتھوں سے صدا آئی کہ اے فاطمہ کے ماہ   ہم قوتِ خیبر شکنی رکھتے ہیں واللہ
قدموں نے کہا سر پہ جو آرے بھی چلیں گے
وہ کوہِ گراں ہیں کہ کبھی ہم نہ ٹلیں گے

نعرہ جو کیا شہ نے ہلا گنبدِ دوار   طبقاتِ اراضی کو تزلزل ہوا یکبار
ہیبت سے ہوئے شیر گریزاں سوے کہسار   فرمایا کہ ہاں وار کر اے ظالمِ غدار
گو فاقے سے ہوں زخمی ہوں اور تشنہ جگر ہوں
سبقت نہ کروں گا کہ میں حیدرؑ کا پسر ہوں

یہ سنتے ہی بس تول کے نیزے کو وہ گمراہ   اس طنطنہ سے آیا کہ العظمۃ للہ
پہونچی تھی سناں متصلِ سینہ کہ ناگاہ   ترچھی چلی جوں صاعقہ شمشیرِ ید اللہ
اُس سینہ کا تھا وار کہ سیفی کی دعا تھی
ایک ایک گرہ نیزے کی دیکھی تو جدا تھی

قبضے میں کماں لیکے بڑھا شبثِ جفاکار   چلّے سے بہ تعجیل ملایا لبِ سوفار
سینے کا تھا نشانہ کہ پکارے شہِ ابرار   ہاں میں بھی جگر گوشۂ حیدر ہوں خبردار
یہ کہتے ہی چھیڑا فرسِ گرم عناں کو
نیزے سے اڑا لیگئے جوں تیر کماں کو

شمشیر کو پھر کھینچ کے لڑنے لگا ناری — حضرت کی سپر سے ہوئی تلوار بھی عاری
اُس عاشقِ باری پہ یہ غصہ ہوا طاری — فرمایا خبردار کہ اب ہے مری باری
اس پھرتی سے اُس ظالمِ پُر کید پہ آئے
جس طرح کہ شہبازِ اجل صید پہ آئے

دھنی طرف اُس شامی نے گھوڑے کو اڑایا — حضرت کا بھی رہوار وہاں برق سا آیا
تیغِ دو زباں کو شہِ عالم نے اُٹھایا — سر تک وہ سپر ہاتھ سے لانے بھی نہ پایا
اس طرح چمک کر یہ چلی فرقِ لعیں پر
سب نے یہی جانا کہ گری برق زمیں پر

سر پہ جو پڑی دو ہوئے خود و سر و گردن — گردن سے گئی تا بہ کمر کاٹ کے جوشن
جوشن سے جو اُتری تو لیا زیں کا دامن — دامن سے چلی تیز تو دو ہو گیا توسن
قبضہ تو رہا دستِ جنابِ شہِ دیں میں
اور تا سرِ دُنبالہ در آئی وہ زمیں میں

فرزندِ محمد نے کیا نعرۂ تکبیر — تھرانے لگا خوف سے سب لشکرِ بے پیر
تھا شور کہ زہرا کے یہ ہے دودھ کی تاثیر — دیکھی تھی نہ ضرب ایسی نہ اس طرح کی شمشیر
قبضے میں اسی تیغِ دو پیکر کے قضا ہے
اس ضرب کو اعجاز جو کہیے تو بجا ہے

(۹۲۴) تیغ ایسی فرس ایسا کہ آندھی ہے جہاں گرد — بجلی کی بھی تھی گرمیِ بازار جہاں سرد
پھرتا تھا تڑپتا ہوا ہر سو جو دمِ ناورد — ہوتا تھا پسینے سے خجل عطرِ گلِ ورد
بو سے تنِ رنگینِ نگار آ گئی گویا
آیا وہ جدھر بادِ بہار آ گئی گویا

کھینچی جو کبھی نظم میں اُس رخش کی تصویر — ٹکڑے ہوئی ہر مصرعۂ پیچیدہ کی زنجیر
مضموں کا بندھا رنگ تو اُس میں [illegible] — اُڑ اُڑ گئی کاغذ سے سیاہی دمِ تحریر
رنگِ رخِ قرطاس بھی فق ہاتھ میں دیکھا
جھپکی جو پلک سادہ ورق ہاتھ میں دیکھا

(۹۲۵) دریا ہے جو کہیے کہ ہوا کا تھا وہ گھوڑا — تھا وسعتِ عالم کا بھی میداں اُسے تھوڑا
مشرق میں لیا دم اُسے مغرب میں جو چھوڑا — جب ٹھہر گئی راکب کی کمر پڑ گیا کوڑا
ممکن تھا کہ جو چاہیں اسے روکیں تو رکے وہ
مہمیز کا رکے حضرت ہی جو روکیں تو رکے وہ

وہ رشکِ صبا خاک پہ کس طرح رکھے گام — ہووے جو فلک سیر زمیں سے اُسے کیا کام
خوش قامت و خوش رو و خوش اندام و خوش انجام — تھا نعل در آتش کبھی دم بھر نہ تھا آرام
دھرتا ہوا لاشوں پہ قدم جاتا تھا گھوڑا
دامانِ جراحت کی ہوا کھاتا تھا گھوڑا

ضیغم کی جو تھی جست تو آہو کے طرارے   آنکھوں کو چُراتے تھے خجالت سے چکارے
ہر نعل سے خم تھا مہِ نو شرم کے مارے   اُٹھتے تھے قدم جب تو چمکتے تھے ستارے
ہو رشک نہ کیونکر فلکِ ماہ جبیں کو
نقشِ سُمِ توسن سے لگے چاند زمیں کو

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ   شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ اُمّت تھی زیادہ   بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منھ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر   کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں آ کر
دعوت یونہیں کرتے ہیں مسافر کو بُلا کر   ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا ہیں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی   وہ چاند سا رُخ وہ قد و قامت وہ جوانی ۱۰
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی   دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کبھی باپ جیا ہے

یہ کہہ کے سکینہؑ کے ہشتی کو پکارے — الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمھارے
لڑتے ہوئے آپہونچے ہیں دریا کے کنارے — عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
اس سوکھے ہوئے ہونٹ سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منھ کو چھپائے — اٹھو کہ سکینہؑ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمھیں کس طرح جگائے — ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو علم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہکر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی — تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی — دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو — سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیر ترازو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفاجو — سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

جھک جاتے تھے ہر نے پہ جو غش میں شہ ابرار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیر دل افگار
اب خاتمۂ جنگ ہے اے اسپ وفادار

اُتر ینگے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں نہ ہاتھ ہمارا

ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اُترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلہ صعب ہے دُنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہی یہ مرنا

طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں ہمیں اُسکے کہ ورثہ ہے پدر کا

اُترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دُکھ میں نہ یاور تھے نہ ہوئی کے موالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی

کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

منھ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جاؤ ڈیوڑھی پہ اے صاحب معراج کے رہوار
اب ذبح کرینگے ہمیں اک دم میں ستمگار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار

رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
بے حیائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو

یہ کہہ کے جو سر کا اسد اللہؑ کا جایا — اک تیر جبیں پر بنِ اشعث نے لگایا
فریاد نے زہراؑ کی دو عالم کو ہلایا — پیکانِ سہ پہلو عقبِ سر نکل آیا
تڑپے نہ رہے صبر امامِ دوجہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر — جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر (۹۵
ابرو تک اُتر کر جو اُٹھی ظلم کی شمشیر — سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبیؐ کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علیؑ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہِ بے پر — جھکتے تھے کبھی غش میں اُٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں جو لگا تیر دہن پر — یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
یہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار — کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک بنِ کاہل کا کلیجے کے ہوا پار — بازو میں در آیا تبر خولیِ خونخوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رُک گیا نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
شورِ دُہلِ فتح ہوا فوج میں اکبار

خوش ہو کے پکارا عمرِ سعدِ جفا کار
اے خولی و شیث و بن ذی الجوشن جرار

آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

پھٹتا ہے جگر حال لکھوں ذبح کا کیونکر
حلقِ پسرِ فاطمہؓ اور شمر کا خنجر

وہ سینہ جو تھا رتبے میں قرآں کے برابر
بے قہر کی جا پاؤں دھرے اُسپہ ستمگر

جس حلق کے بوسے لیے زہراؓ و علیؓ نے
فریاد ہے کاٹا اُسے خنجر سے شقی نے

ملبوسِ بدن لیگئے سب لوٹنے والے
سینے سے مگر تیر کسی نے نہ نکالے

پہلوے مبارک میں گڑے رہگئے بھالے
کیوں چرخ یہ حال اسکا جسے فاطمہؓ پالے

شبیرؓ کا سر نیزۂ خولی کی انی پر
تُف دہر پہ اور خاک ہے دنیاے دنی پر

کلیات نعت

یعنی

حضرت محسنؔ کاکوروی مرحوم و مغفور کا نعتیہ دیوان

یوں تو اُردو زبان کے تمام ممتاز اور مشہور شعرا نے حضرت سرور کائنات علیہ التحیۃ
و الثنا کی مدح و ثنا میں نمایاں حصہ لیا ہے اور کوئی دیوان، کلیات، مجموعۂ کلام اور مستقل
کتاب ایسی نہ ملے گی جس میں حمد حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کے بعد جناب رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و نعت اور آپ کے فضائل و کمالاتِ نبوت و بشریت کی
توضیح و تشریح نہ کی ہو لیکن ان اساتذۂ اُردو کا موضوع شاعری اور اصلی مطمح نظر یا مرکز
خیال چونکہ جذباتِ عامہ کی تفسیر و ترجمانی سے زیادہ نہ تھا اس لیے اُن کا نعتیہ کلام
مکمل اور با وقار صورت میں اربابِ ملت کے سامنے پیش نہیں کیا گیا مگر جناب
محمد محسن کاکوروی مرحوم کا سارا کلام نعت ہی کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور اسی
وجہ سے خاص و عام میں اُن کو حسن قبول حاصل ہوا۔

جس طرح غزل گوئی میں میرؔ و مصحفیؔ ۔ آتشؔ و غالبؔ ۔ داغؔ و امیرؔ اُستاد مانے جاتے ہیں،
قصیدہ میں ذوقؔ و سوداؔ کا پایہ سب میں بلند تسلیم کیا جاتا ہے، مثنویاں میر حسنؔ، نسیمؔ، اور
نواب الدولہ قلقؔ کی مقبول ہو گئی ہیں، اور مرثیہ میں انیسؔ و دبیرؔ کوس لمن الملک بجاتے ہیں
نعت گوئی میں شیخ غلام امام شہیدؔ اور محسنؔ کاکوروی امام فن قرار پا گئے ہیں اور حقیقت

یہ ہے کہ حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش میں جناب
فصاحت و بلاغت صرف کی ہے اور جس انداز و اسلوب اور دلی ذوق و شوق سے
افضل ترین مخلوقات کے مختلف و متنوع جلوہ ہائے حسن و کمال سے انھوں نے
بصیرت اور صاحبانِ ارادت کو لذت آشنا بنانے کی کوشش کی وہ انھیں کا

ایں سعادت بزور بازو نیست

اس کلیات کا مصرعہ مصرعہ اگرچہ اہل دل کے لیے "سرو بستاں یاد د
مصداق ہے مگر بعض مکمل حصص ایسے ہیں کہ اگر محافلِ میلاد میں پڑھے جائیں تو س
بانیانِ مجلس مشترکہ دونوں کے لیے غایت سرور و لطف کا ذریعہ اور کمال
باعث ہوں گے۔

پہلا ایڈیشن مدت ہوئی کہ ختم ہو چکا تھا اور دوسرا ایڈیشن بھی قریب
محبان و غلامانِ حضرتِ رسول مقبول (روحی فداہ) صلے اللہ علیہ وسلم کی
کی تعمیل نہیں ہو سکتی تھی۔ بحمد اللہ کہ تیسرا ایڈیشن تیاری کے قریب ہے اور
ہو جائے گا۔ جن شائقین کی درخواستیں پہلے سے آ گئی ہیں اُنکی خدمت
تیار ہوتے ہی روانہ ہو جائیگا اور جن صاحبوں نے ابھی تک درخواستیں نہیں
وہ جلد لکھیں کہ مبادا یہ ایڈیشن بھی تمام ہو جائے اور پھر چوتھے ایڈیشن کا

خاکسار

سکریٹری انجمن اخوان الصفا۔ کاکوری ضلع

پرنٹر و پبلشر اسحاق علی علوی